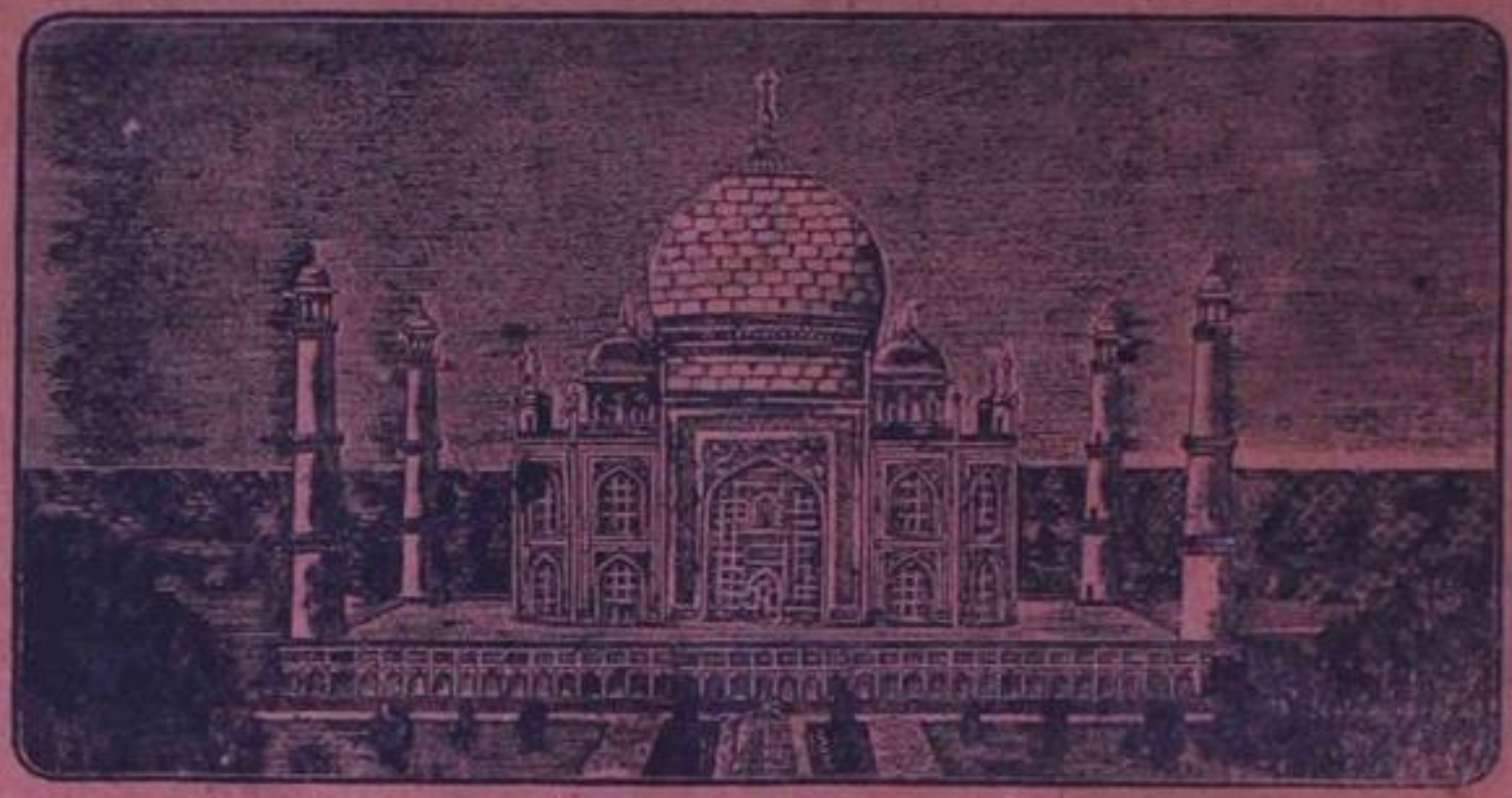

نگار

مجلہ علمیہ و ادبیہ

رئیس التحریر

نیاز فتحپوری

لالہ رخ کتابی صورت میں

جناب لطیف کا افسانہ (جو لالہ رخ کے عنوان سے نگار میں شائع ہوا ہے) اسقدر مقبول ہوا ہے کہ ہم اسے جداگانہ کتابی صورت میں شائع کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ بارہ اور پندرہ کے درمیان ہاف ٹون تصاویر جسمیں ایک رنگین تصویر ہوگی اعلیٰ قسم کے کاغذ پر اور بہترین جلد کیساتھ یہ کتاب پبلک کے سامنے پیش کیجائیگی اس اہتمام کیساتھ جو مصارف ہونگے اُن کے باعث اس اشاعت کی مقدار محدود ہوگی اسلئے شائقین مخصوص خریداران نگار سے استدعا ہے کہ وہ اپنا نام درج رجسٹر کرالیں تاکہ وہ سب سے پہلے اسکے مستحق سمجھے جائیں۔ مینجر

زیب النسا بیگم کی تصویر

یہ تصویر صنعت و تاریخ کا ایک نادر نمونہ ہے اور یقیناً ایک کمرے کی زیبائش کا حسین موضوع۔ آپ کے شوق کی رعایت سے ہمنے اس تصویر کو جداگانہ فراہم کرنے کا انتظام کیا ہے اور ڈبل کٹ مونٹ کیساتھ حاضر کیجا سکتی ہے قیمت بارہ آنہ (۱۲) ہے۔

مینجر نگار بھوپال

اُجرت نامۂ اشتہار رسالہ نگار

تعداد طبع	ایک صفحہ	نصف صفحہ	ربع صفحہ
۱۲	۶۰/	۳۵/	۲۰/
۶	۳۵/	۲۰/	۱۲/
۳	۱۸/	۱۰/	۷/
۱	۷/	۴/	۳/
اجرت اشتہار پیشگی لی جائے گی	مواعید اشتہار منسوخ نہیں ہو سکتا	مدت معینہ کے اندر مضمون اشتہار بدل سکتا ہے	کسی اشتہار کا چربہ منظور نہیں کیا جائیگا

ٹائیٹل کے اشتہارات کی اُجرت نرخ نامہ سے ۲۵ فی صدی زائد ہوگی۔

نگار

(۱) ہر انگریزی مہینہ کے تیسرے ہفتہ میں شائع کیا جائیگا اسکے اگر ۱۰ تک نہ پہنچے تو ہمیں مطلع فرمائیے ورنہ پرچہ بلا قیمت ارسال نہ ہو سکیگا۔

(۲) چونکہ ایک مشترکہ سرمایہ سے جاری ہے، اسلئے مالی مشکلات کی وجہ سے اس کے بند ہونیکا خیال دل میں نہ لائیے۔

(۳) پانچ روپیہ میں ایک سال تک، تین روپیہ میں چھ ماہ تک آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا رہیگا۔ اس سے کم مدت کے لئے درخواست خریداری آپ کی شان کے منافی ہے اس لئے ہم بھی اس کی تکمیل سے احتراز کریں گے۔

(۴) پیشگی قیمت روانہ کرنے کا مشورہ آپ کو دیتا ہے، کیونکہ وی۔ پی۔ میں آپکا نقصان ہے، جو ہمیں کسی طرح گوارا نہیں ہو سکتا، البتہ اگر آپ چاہیں تو ہر ماہ ۸ر آنے کے ٹکٹ بھیجکر رسالہ حاصل کر سکتے ہیں۔

(۵) جواب طلب امور کے لئے ٹکٹ آنا ضروری ہیں ورنہ جواب نہ پہنچنے کی شکایت نہ ہونی چاہیئے۔

(۶) ترسیل مضامین وغیرہ کے متعلق اڈیٹر صاحب سے بھوپال کے پتہ سے مراسلت کیجئے۔

(۷) ترسیل زر، درخواست خریداری و اشتہار وغیرہ کے متعلق مینجر نگار کو مخاطب فرمائیے۔ مینجر نگار بھوپال

حافظ امام الدین پبلشر نگار نے باہتمام خواجہ صدیق حسین مطبع آگرہ اخبار آگرہ میں چھپوا کر شائع کیا۔

ملاحظات

GIFT

۱۔ قطع منزل کا بہترین منظر یہ ہے کہ ایک جگہ قیام کر کے طے ہو جانے والے راستہ کے خیال اور پیش آنے والی راہ کے تصوری اطمینان سے وقفہ شام کو خوشگوار بنالیں اور اس طرح طلوع صباح کو نئے ولولوں سے لبریز اور تازہ امیدوں سے معمور کر کے سفر کا سلسلہ جاری رکھا جائے۔

نگار اپنی زندگی کا ایک سال طے کر کے دوسرے سال میں قدم رکھتا ہے اور ہر چند بہ مدت اسقدر قلیل ہے کہ اسکو پیش نظر رکھ کر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ نگار نے اپنی منزل کا قابل ذکر حصہ طے کیا ہے، لیکن چونکہ انسانی عزایم حد درجہ نا استوار و مضمحل ہوتے ہیں، اس لئے دنیا میں ایک لمحہ کا بھی کامیاب و بامراد گزر جانا غنیمت ہے علے الخصوص اس وقت جب کہ "ایفار عہد" تک جینے کے لئے عمر ہمیشہ "بے وفا" ثابت ہو۔

میرے بعض احباب کا تقاضہ تھا کہ سال نو کی تقریب پر کسی افتتاحیہ سے رسالہ کا آغاز کروں، لیکن میں نے کچھ تو عمومیت کے خیال سے اور کچھ اس لحاظ سے کہ کہیں یہ "لبھا بہ زہر شستۂ افسانۂ خودیم" کے تحت میں نہ آجائے مناسب نہیں سمجھا۔ ملاحظات کے سلسلہ میں صرف اس لئے ذکر کر دیا گیا کہ اصطلاح صوفیہ میں "ترک ترک" کا درجہ ہاتھ سے نہ جائے۔

۲۔ اس اشاعت میں مولوی ابوالحسنات ندوی کا مضمون دستوریت ایران پر ہمیں جناب قریشی کے ذریعہ حاصل ہوا ہے، جس کا شکریہ پیش کیا جاتا ہے۔

۳۔ اس مہینہ سے "ملکوتی رومان" شروع ہوتا ہے۔ "لالہ رُخ" سے لطف اُٹھانے والوں کے لئے جناب لطیف کی طرف سے یہ دوسری "دعوت حسن و شباب" ہے۔

۴۔ ہر چند کتابت کی غلطیوں کا بار بار ذکر کرنا اک لایعنی سی بات ہے، لیکن چونکہ دسمبر کے نگار میں خصوصیت کے ساتھ بہت غلطیاں رہگئی ہیں، اس لئے میں خصوصیت سے اس کا ذکر بھی کرتا ہوں، ناظرین خود اپنی قوت تمیز سے کام لیکر درست فرمالیں۔

۵۔ دسمبر کے رسالہ میں "مشاہیر یورپ کے اقوال"، صفحہ ۹ پر سید وجاہت حسین صدیقی نے بھیجے تھے لیکن ان کا نام غلطی سے شایع نہ ہو سکا۔

۶- جناب فانی کی غزل گزشتہ اشاعت میں صفحہ ۱۲۵ پر غلطی سے شایع ہو گئی۔ میں نے علیگڑھ میگزین میں اس غزل کو دیکھ کر ہدایت کردی تھی کہ اب یہ غزل شایع نہ کی جائے لیکن افسوس ہے کہ ہمارے "تغافل کیش" معاونین نے توجہ نہیں کی، مجھے شکایت خود اپنی جماعت سے ہے، نہ کہ جناب فانی سے۔

۷- ہر چند رسالہ کا تعویق سے شایع ہونا میرا قصور نہیں، لیکن چونکہ اس کی شکایت بعض اوقات میرے کانوں تک بھی پہونچتی ہے، اس لئے مجھے ظاہر کرنا پڑتا ہے کہ جب تک پریس اپنا نہ ہو، پابندی دشوار ہے۔ تاہم چونکہ اب دفتر نگار بھوپال میں منتقل کردیا گیا ہے اور طباعت کا معاملہ دو پریس سے جدا جدا کیا گیا ہے، اس لئے امید ہے کہ مارچ سے انتظام درست ہو جائے گا۔

اب خط و کتابت، ارسال زر، تبادلۂ اخبارات، درخواست خریداری، طلب نمونہ، تحسین و شکایت الغرض نگار کے متعلق جو کچھ گفتگو کرنا ہو وہ منیجر نگار سے بھوپال کے پتہ پر کی جائے۔

(اڈیٹر)

ACCESSION
15824

۷۸۶

نگار

ایڈیٹر: نیاز فتحپوری

مجلد ۳ — جنوری سنہ ۱۹۲۳ء — قیمت سالانہ پانچ روپیہ
شمارہ ۱ — قیمت فی پرچہ آٹھ آنہ

فہرست

تصویر: یاران نجد — آخر صفحہ

اعلان ۲
استقلال قومی کے عناصر ثلاثہ ایڈیٹر .. ۳
غزل ہز ایکسیلینسی مہاراجہ سرکشن پرشاد بہادر .. ۸
محبت (اقوال) ایڈیٹر ۸
ملکوتی رزمان لطیف الدین احمد ۹
انقلاب و ستوریت ایران ابوالحسنات ندوی .. ۱۸
نوائے دلگیر (غزل) شاہ نظام الدین دلگیر .. ۳۲
کلام آسی عارف ہسوی ۳۳
نقوش مانی (غزل) سید کلب احمد مانی جائسی .. ۴۲
کلام شاد (غزل) شاد عظیم آبادی .. ۴۲
جذبات خالد (غزل) محمود ارب خالد .. ۴۲
حرکت کے کرشمے ایڈیٹر ۴۳
بچہ (بعض تصریحات) سید ہادی علی خاں .. ۴۶
اسلام میں سلطنت کا مفہوم سید وزارت علی ۴۷
ملا اعلیٰ کا سیاح لطیف الدین احمد ۵۲
مسائل علمیہ نصیر احمد عثمانی. ام اے .. ۶۶
نذر نگار مجنون ۶۹
استفسار و جواب اڈیٹر ۷۳
معلومات اڈیٹر ۷۷-۸۰

ACCESSION
15824

نگار کا دفتر

آگرہ سے بھوپال منتقل ہوگیا ہے

اس لئے

تمام خط و کتابت، ارسال زر، تبادلہ اخبارات

براہ راست

منیجر نگار بھوپال کے پتہ سے

ہونی چاہئے

نگار

مجلد ۳	جنوری سنہ ۱۹۲۳ء	شمارہ ۱

استقلال قومی کے عناصر ثلثہ

اور

جامعۂ ملیہ کی اہمیت

انگریزی کی ایک مشہور مثل ہے کہ "روم ایک دن میں بنکر طیار نہ ہو گیا تھا"، جس سے مقصود یہ ہے کہ زیادہ اہم مطالب میں تعجیل کا خیال بے سود ہے اور تمام ایسے کام جو اپنی وسعت کے لحاظ سے عامۃ الورود نہیں ہیں ہمیشہ تدریج کے ساتھ انجام پاتے ہیں، ہمیں نہیں معلوم کہ یہ ضرب المثل کب عالم وجود میں آئی اور کیونکر کس عہد میں یہ اصول مقرر کیا گیا، لیکن اب جبکہ دنیا کے اصول بدل گئے ہیں اور تعمیر روم تو کیا، ترقی اقوام کے درجات بھی "برق پیما" سے متعین کئے جاتے ہیں، اس پر کاربند ہونا ایسا ہی ہے جیسے طیاروں پر سفر کرنے والوں کے سامنے الف لیلہ کے سندباد کا قصہ پڑھنا۔

آج جس وقت قومی ترقی کا مسئلہ پیش ہوتا ہے تو اکثر سر و دماغ رکھنے والے حضرات (جنہیں اعتدالیین کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے) اپنے چہروں پر حد درجہ تدبر و فراست ظاہر کرنیوالی شکنیں پیدا کرتے ہوئے وہی تعمیر روم والا مقولہ پیش کر دیتے ہیں اور ترقی کا ذریعہ صرف "تدریج" ہی کو قرار دیتے ہیں یعنی آہستہ خرامی کی تعلیم دیتے ہیں اور اس سے آگاہ نہیں کہ اس درس کے بعد ہی "مخرام" کی طرف فوراً ہمارا ذہن منتقل ہو جاتا ہے، حالانکہ اب ضرورت ہے "بمرگش بگیر" کی تاکہ عمل کی حد درجہ انحطاطی صورت بھی "تپ" کے ٹمپریچر سے نہ گرنے پائے، دنیا کا کوئی کام بغیر جوش کے تکمیل کی حد تک نہیں پہونچتا، جنگ کا فیصلہ خندقوں میں بیٹھ کر نہیں ہوتا

اور لطف حیات کا راز صرف "جرأتِ رندانہ" میں تلاش کرنے سے مل سکتا ہے۔

آج مشرقی ممالک میں کوئی ملک جس پر غیر اقوام لوگ قابض ہوں، ایسا نہیں ہے، جہاں آزادی و استقلال کا خیال موج زن نظر نہ آتا ہو مصر، شام، عراق، ہندوستان، ترکستان، ہر جگہ سیاسات کا مفہوم صرف حریت و آزادی قرار دے لیا گیا ہے اور کم و بیش ہر مقام پر حریت کا مدعا یہی سمجھا جاتا ہے کہ اپنے اوپر حکومت کرنے والے "ہم" ہوں اور ترقی کے میدان میں ہم بھی دوسری ترقی یافتہ قوموں کے دوش بدوش نظر آئیں، لیکن اس وقت تک اس کی کوشش نہیں کی گئی کہ تمام مشرقی ممالک اپنی ایک لیگ جداگانہ قائم کرکے کوئی لائحۂ عمل مرتب کریں اور اس "تدریج" کے لفظ کو اپنی لغت سے کلیۃً خارج کردیں، جس کے معنی کم از کم ایک صدی کے ہیں۔

اگر اصولاً اس مسئلہ پر گفتگو کی جائے تو سب سے پہلے غور کرنا چاہئے کہ مشرق میں یہ احساس کیونکر پیدا ہوا لیکن ہم اس پر فضول وقت ضائع کرنا مناسب نہیں سمجھتے کیونکہ یہ حقیقت اب بالکل بے نقاب ہو چکی ہے کہ خود مغرب کا سلوک اس باب میں ہمارا دلیل راہ ہوا، یعنی اگر وہ غلامی کے آخری حدود سے ہمیں آشنا نہ کرتے تو حریت کے مفہوم سے ہم آگاہ نہ ہوتے، اس لئے ہم کو اس سے قطع نظر کرکے صرف اسپر غور کرنا چاہئے کہ ہم اپنا مقصود کیونکر حاصل کرسکتے ہیں اور اسکے لئے کس قدر زمانہ درکار ہے۔

مسٹر بنیامن کڈ (ایک مشہور اجتماعی) کا قول ہے کہ "اس سے زیادہ غلطی اور کوئی نہیں ہوسکتی کہ ہم تمدن کو سست رفتار خیال کریں اور ارتقاء قومی کو صدیوں پر منحصر کردیں، بعض اوقات نہایت قلیل مدت میں عظیم انقلاب پیدا ہوجاتا ہے اور کبھی ایک نسل طبیعت بشری کو بالکل بدل دیتی ہے پھر یہی نہیں ہے کہ اس نوع کے انقلابات کے اسباب بہت کم نظر آتے ہوں بلکہ وہ دنیا میں ہر وقت پیدا ہوسکتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ انسان نے ہنوز اُن کا احاطہ نہیں کیا ہے ورنہ چند سال کے اندر وہ وہ انقلابات پیدا کرسکتا ہے جو طبعی رفتار سے صدیوں میں پورے ہوسکتے ہیں۔

اگر کوئی شخص ہم سے اس نوع کے انقلاب کی مثال دریافت کریگا تو ہم بلا تامل جرمنی اور جاپان کو پیش کردینگے جنھوں نے نہایت قلیل مدت میں اپنے نظام ملی کو ترقی کے اُس نقطہ پر پہونچا دیا، جہانتک پہونچنے کے لئے دوسرے ممالک نے صدیاں صرف کردی ہیں۔

اگر جرمنی کی تاریخ پر نظر غائر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ اس کی تکوین قومی کا انحصار صرف اس کے نظام تعلیم پر تھا۔ اس نے اپنی ساری توجہ پہلے مدارس پر مبذول کردی اور ابتدائی مدارس سے لے کر کالجوں تک اساتذہ کا فرض صرف یہ قرار دیدیا کہ وہ نوجوانوں کے دماغوں میں محبت وطن راسخ کردیں، چنانچہ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ جو طالب علم تعلیم سے فارغ ہوکر نکلتا ہے، وطن کی محبت میں سرشار نکلتا ہے اور اپنی زندگی کا صرف یہ مقصد قرار دیتا ہے کہ اپنی قوم کو ترقی کے اعلیٰ مدارج پر پہونچادے۔

عام قاعدہ ہے کہ پہلے دماغ انسانی میں کسی غائت کا تصور ہوتا ہے اور جب وہ تصور زیادہ قوی ہوجاتا ہے تو انسان ذہنی حالت سے اُسے خارجی صورت میں لانے کی کوشش کرتا ہے، اس لئے جب آپ طلبہ میں حب وطن، حریت اور فدویت کے جذبات پیدا کرینگے تو اس کا کھلا ہوا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ مدارس سے نکل کر اپنے وطن کو ذلت وغلامی کی حالت میں دیکھنا پسند نہ کرینگے، لیکن یہ آرزو اُسی وقت پوری ہوسکتی ہے جب خود حکومت اس قسم کا نظام تعلیم قائم کرے، یا خود رعایا اس تجویز کو کامیاب بنانے میں ایثار و قربانی کی غیر معمولی مثالیں پیش کرے۔

جاپان، جس نے پچاس سال کے اندر غیر معمولی ترقی کرکے اپنے زرد خطرہ سے مغرب کے تمام سفید اقوام کو فکرمند بنا رکھا ہے، سب سے پہلے جس چیز کی طرف متوجہ ہوا وہ تعلیم و تربیت کا مسئلہ تھا۔ جس نے چند سالوں میں وہاں کی دماغی، اخلاقی اجتماعی اور معاشرتی حالت کو بالکل بدل دیا، لیکن یہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ اس مسئلہ میں سب سے پہلے حکومت کا فرض ہے کہ وہ اہل ملک کے لئے آسانیاں فراہم کرے اسلئے نظام تعلیم قائم کرنے سے پہلے ضرورت اس امر کی ہے کہ حکومت اپنی قائم کی جائے یا حکومت پر اس قدر اقتدار پیدا کیا جائے کہ وہ ہماری قومی و تعلیمی ضروریات پورا کرنیکے لئے مجبور کی جاسکے۔

یوروپین اقوام جو مشرق میں غاصبانہ طریقہ پر داخل ہوئی ہیں وہ ہمیشہ اس بات کی کوشش کرتی رہتی ہیں کہ رعایا کی قومی روح فنا کردی جائے، جنھوں نے مصر میں حکومت برطانیہ کی تاریخ کا مطالعہ کیا ہے، انھیں معلوم ہے کہ بمقابلہ عہد اسمٰعیل پاشا کے دور برطانیہ میں وہاں کی تعلیم بہت پیچھے ہٹ گئی تھی، نصاب ضعیف کردیا گیا تھا، طلبہ کی تعداد بہت کم ہوگئی تھی اور مصر کی قومیت اس وقت سے شروع ہوئی جب محمد علی پاشا نے علوم وفنون کو رواج دیا، ملک میں مدارس جاری کئے اور لوگوں میں جذبات وطن پرستی پیدا کرنے کی

کوشش کی۔

الغرض قومی اور ملی ترقی میں نظام تعلیم و تربیت کا بڑا حصہ ہے کیونکہ ہر ترقی کا دروازہ مدرسہ ہے جہاں سے تمام خیالات ہیئت اجتماعی کے متعلق ملک میں منتشر ہوتے ہیں پھر جس طرح لڑکوں کے مدارس اور نصاب مدارس کی اصلاح ضروری ہے اسی طرح لڑکیوں کی تعلیم کا انتظام بھی فرض ہے کیونکہ انسان کی ابتدائی تعلیم عورت ہی کے آغوش میں ہوتی ہے اور عہد طفلی میں جو جذبات و خیالات دماغ میں مرتسم ہو جاتے ہیں وہ طبیعت کا جزو ہو کر رہ جاتے ہیں اور سارا مستقبل اُن سے متاثر ہوتا ہے۔

حکومت و تعلیم کے ساتھ تیسری چیز جو ترقی کے لئے ضروری ہے وہ ملک کی صحافت و ادبیات ہے، تاریخ شاہد ہے کہ نہضت قومی و نہضت ادبی بالکل لازم و ملزوم ہیں اور اکثر دیکھا گیا ہے کہ ادبی ترقی قوم کی بیداری کا باعث ہوئی، ہندوستان کی حالت اس لحاظ سے بہت پیچھے ہے، لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں ہو سکتا کہ یہاں کی بیداری کے جہاں اور اسباب ہیں انھیں میں سے ایک یہاں کی صحافت بھی ہے خواہ وہ کتنی ہی معمولی درجہ کی کیوں نہو۔ اسی طرح مصر کی تاریخ بیداری میں وہاں کے جرائد و رسائل کو (جن میں مصطفےٰ کامل کے اللوار کو خاص امتیاز حاصل ہے) کبھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

اس لئے ہر وہ ملک جو ترقی کرنا چاہتا ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ اس کے ادبیات بھی انھیں جذبات سے لبریز ہوں تاکہ تمام مدارس کا نصاب جسے ایک ملک کے اہل قلم ہی مرتب کرتے ہیں اسی رنگ میں رنگا ہوا ہو

اب ان تینوں کو پیش نظر رکھ کر ہندوستان کی حالت پر غور کیجئے کہ اس نے اس کے حصول کیلئے کیا کوشش کی ہے اور وہ کیونکر اس میں کامیاب ہو سکتا ہے۔

ترقی کی پہلی شرط حکومت وہ تو بالکل مفقود ہے، ہر چند اس میں شک نہیں کہ اگر ہم چاہیں تو اپنے ہمنوائی و ہم آہنگی اتفاق و اتحاد، اجتماع آرا و خیال و قوت احتجاج و مرکزیت سے حکومت کو مجبور کر سکتے ہیں کہ وہ ہماری ترقی کے لئے تمام وہ اسباب فراہم کرے، جن کا مہیا ہونا ضروری ہے لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی صحیح ہے کہ ہندوستان کی حکومت کو جتنی مدت میں ہم اس امر پر مجبور کر سکیں گے، اس وقت تک ہماری ضروریات خدا جانے کس حد تک اور بڑھ جائینگی۔ اس لئے بہترین طریقہ یہی ہے کہ بجائے حکومت کو مجبور کرنے کے خود اپنے قوائے عملیہ کو ایک مرکز پر لے آئیں خود ایسے قومی مدارس قائم کریں، جہاں کا نصاب طلبہ کو

کلرک نہ بنائے بلکہ اُن میں وطن پرستی کا جذبہ پیدا کرے۔ موجودہ سیاسیاتِ ہند میں، سودیشی اشیاء کا استعمال اور مدارسِ حکومت کا بائیکاٹ یہی دو اصول تھے جو سب سے زیادہ اہم تھے اور افسوس ہے کہ انھیں کی طرف کم اعتنا کیا گیا۔ یہ بالکل صحیح ہے کہ ہندوستان میں مختلف قومیں آباد ہیں اور ان سب کو ملانے کی کوشش کرنا گویا مختلف و متضاد عناصر کو ایک مرکز پر لانا ہے، لیکن میرے نزدیک اصولی غلطی یہی ہے کہ پہلے اس اشکال کے دور کرنیکی کوشش کی جاتی ہے اور عمل کو اس اتفاق اور اتحاد پر منحصر کر دیا جاتا ہے، جب اصولاً تمام لوگ متفق ہیں تو یہ ضرورت نہیں کہ مسلمان اسی وقت کسی کام کی ابتدا کریں، جب ہندو اُن کا ساتھ دیں اور ہندو اس وقت عمل شروع کریں، جب مسلمان گاؤکشی ترک کردیں، مثلاً اگر ہندو تعلیم کے مسئلہ میں مسلمانوں کا ساتھ نہیں دیتے تو کچھ پرواہ نہیں، ہمیں خود اس کی کوشش کرنا چاہئے اور اپنے تعلیمی مسئلہ کو خود اپنے ہاتھ میں لے لینا چاہئے، اسی لئے میرے نزدیک اس وقت ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ جامعہ ملیہ علی گڈھ کو ترقی دینے کی طرف متوجہ ہوجائے اور اس کے نظام کو اس قدر وسیع بنایا جائے کہ اس کو ہندوستان کی تمام مسلم آبادی کا تعلیمی مرکز تسلیم کرنے میں کسی کو عذر باقی نہ رہے۔

میں نے جامعہ ملیہ کو دیکھا ہے، وہاں کے طلبہ سے گفتگو کی ہے، وہاں کے اساتذہ کی حالت دیکھی ہے، وہاں کے کارکنوں کا جوش میں نے محسوس کیا ہے اور اس لئے میں کہہ سکتا ہوں کہ اگر آج تمام مسلمان اس کی طرف اس قدر توجہ کریں جتنی وہ عیدِ قرباں کے وقت انسدادِ گاؤکشی کے لئے کرتے ہیں، تو بہت جلد وہ اپنی اہمیت کو اس حد تک ثابت کرسکتا ہے کہ ہمارے بہت سے مدرکات قومی اس سے وابستہ ہوجائیں، میں اس سلسلہ میں مسلم یونیورسٹی علیگڈھ کا ذکر کرنا مناسب نہیں سمجھتا حالانکہ تعرف الاشیاء باضدادھا کا اقتضا یہی تھا۔

ایک شخص کہہ سکتا ہے کہ اس وقت تک جامعہ ملیہ کی بنیاد اس قدر مستحکم نہیں ہوئی ہے کہ لوگ اپنے بچوں کی تعلیم اس کے سپرد کردینے میں پس و پیش نہ کریں، لیکن میں کہتا ہوں کہ اس وقت تک لوگوں نے اپنے بچوں کی تعلیم اسکے سپرد کرنے میں کیا کم پس و پیش سے کام لیا ہے کہ اسکی بنیا مستحکم ہو۔

آج اگر ہم فیصلہ کرلیں کہ ہمارے لئے ایک قومی جامعہ کا پایا جانا ضروری ہے اور اس بات کا عزم کرلیں کہ ہم اپنے بچوں کی تعلیم میں حکومت یا کاسہ لیساں حکومت کا احسان نہ اُٹھائینگے تو جامعہ ملیہ کے قیام و بقا، وسعت و ترقی کا مسئلہ آج طے ہوا جاتا ہے، اور صرف چند سال کے اندر آپ برائے العین معلوم کرسکتے ہیں کہ غیر تمندانہ زندگی کے برکات کسقدر غیر متناہی ہیں اور ہمارے مقاصد صرف خودداری اور استغنائے نفس سے کس درجہ پورے ہوسکتے ہیں۔

نتیجۂ فکر حضرت شاد صوفی مدظلہ

اس چشم سرگیں سے میں سرمہ درگلو ہوں　　دل میں ہیں آرزوئیں جاسوس گفتگو ہوں
اِک مدعائے نایاب آوارہ کر رہا ہے　　جسکی طلب میں ہردم سرگرم جستجو ہوں
غفلت ہے، کس بلا کی اتنی خبر نہیں ہے　　کھویا ہے کس کو میں نے کیوں محو جستجو ہوں
اپنا ہوں آپ عاشق معشوق بھی ہوں اپنا　　کس کو طلب کروں میں اپنی میں آرزو ہوں
اقرب ہے شاہ رگ سے، ہے دور ہر مکاں سے　　ڈھونڈوں کہاں میں اسکو مایوس جستجو ہوں
ہوں نخبت نارسا سے حرماں نصیب ایسا　　پاتا نہیں ہوں اس کو گو محو جستجو ہوں
دونوں جہاں ہیں مجھ میں نیرنگیاں ہیں مجھ میں　　عالم کا ہوں تماشا۔ عالم کی آرزو ہوں
نغمے بھرے ہیں مجھ میں اسرار قدرتی کے　　تار نفس سے ہردم اک ساز گفتگو ہوں
کیا حال دل سناؤں دل سوختہ ہوں ایسا　　دودِ نفس سے اپنے میں سرمہ درگلو ہوں
بدلی ہے اُنکی تیوری۔ گرم عتاب ہیں وہ　　کہتا ہے حسن ان کا میں تیری آرزو ہوں
جلوے دکھا رہے ہیں۔ پیش نظر ہیں ہردم　　حیرت مجھے بتا پھر کیوں محوِ جستجو ہوں
اس گلشن جہاں میں لو مجھ سے درس عبرت　　خاموش مثل غنچہ ہنگام گفتگو ہوں

ہے کون دوست میرا۔ دشمن ہے کون میرا
ہوں دوست **شاد** اپنا۔ اپنا ہی ہیں عدو ہوں

محبت

نئی محبت کی رونق ایک پھول کی طرح ہے، لیکن سریع الزوال۔
محبت کی ابتدا میں جب محب و محبوب یکجا ہوتے ہیں تو ایک کو دوسرے کے متعلق بہت شکوک ہوتے ہیں۔
محبت بلند ترین صفت انسانی ہے اگر اس سے جاں نثاری اور نفس کی قربانی مقصود ہو، لیکن اگر اس سے مراد کسی چیز کا حاصل کرنا ہے تو اس سے بڑھ کر ذلیل کوئی شے نہیں ہو سکتی۔ (شوپنہاؤاں)
مرد اس عورت سے محبت نہیں کرتا، جو اس کے مشابہ بننے کی کوشش کرتی ہے، کیونکہ اس طرح وہ اک چیز کی تلاش میں ہے جو اس کی طبیعت کے برعکس ہے۔ (رینان)

ملکوتی رومان

دنیا کی ابتدا تھی اور ستارے اپنے بچپن کے دور میں تھے، طلوعِ فطرت کی سحر سے ابھی صباحت جھلک رہی تھی اور اس کی روشنی میں آسمان و زمین کی مخلوق کوہسار کے منظرِ لطیف اور وادیوں کے لبریز تبسم عمق میں باہم ملتے اور ہم جلیسی کی مسرتوں سے لطف اندوز ہوتے تھے۔ الغرض یہ وہ عہدِ معصوم تھا جب معصیت والم کے دنیا میں بارپا کر مکینانِ عرش اور ساکنانِ زمین کے درمیان غیریت کا پردہ حائل نہ کر دیا تھا۔

اس عہدِ جرم و عصیاں کی بہ نسبت اُس وقت کی دنیا، آسمانوں سے قریب تر تھی اور انسان فضائے بسیط میں فرشتوں کی آمد و رفت کو دیکھتے اور ذرا متحیر نہ ہوتے تھے۔ بساحیف کہ صبحِ فطرت کا یہ لطیف منظر بھی ہوا و ہوس سے آلودہ ہو گیا! یعنی داغ معصیت سے، ساکنانِ ملاء اعلیٰ بھی محفوظ نہ رہ سکے؛ اور اس سے زیادہ افسوسناک حقیقت یہ ہے کہ اس داغ معصیت کا باعث عورت کی محبت ہوئی!

دنیا کے عالمِ عنفوان میں ایک شام کو، اس وقت جب غروب آفتاب کی شعاعیں آغوشِ نکہت میں سو جانا چاہتی تھیں، ایک پہاڑی کے دامن میں اعجاز برنائی کے تین مجسمے، شباب و تجمل کے تین پیکر، فطرتِ لطیف کی آغوشِ راحت میں پڑے لطف بذلہ سنجی میں محو تھے۔ اُن کی نگاہیں رہ رہ کر سقف بلند کی جانب اُٹھ جاتی تھیں، جہاں کبھی اُنکی روشنی نے اپنے تابناک بازو پھیلا دئے تھے؛ وہ اوپر کی سمت دیکھتے اور عالم بالا کی نورانی مخلوق فضائے عرش میں اُنھیں اس طرح متحرک نظر آتی، جس طرح شعاع آفتاب کے اندر ذرات بیتاب رہتے ہیں۔ ملائکہ کی صفیں ہر وقت خالق کل کے پُر عظمت و جلال نام کی تسبیح میں مشغول نظر آئیں؛ اس نظارہ نے اُن کی گفتگو کو آسمانی تذکروں میں تبدیل کر دیا اور پھر اس بحث سے گذر کر انھوں نے اُن حسین آنکھوں کا ذکر شروع کیا، جو اُن کو اس عالمِ طمانیت و سکوں سے باہر کھینچ لانے کا سبب بنگئی تھیں، سوادِ شام کی

اثر آفرینی اُن کی حساس قلب پر مسلّط ہوگئی، پھولوں کے خاموش تنفس اور فضا کے نور رقیق کی بارش نے اُن کو بیخود سا کر دیا اور وہ شوق پرور ساعت جو آسمان سے اُن کے اخراج کا باعث ہوئی تھی اُن کے پیش نظر ہوگئی۔

ہر ایک نے اپنا اپنا افسانۂ محبت سنایا اور بتایا کہ کسی کی چشمِ سامری فن نے اُسے کس طرح محو کر لیا تھا، کیونکہ ان تینوں کا ملکوتی مرتبہ عورت ہی کے جلوۂ تبسم پر قربان ہوا تھا۔

سب سے پہلے جس نے اپنا رومانِ عشق دہرایا اس کا نام ماخیل تھا۔ ماخیل تینوں میں سب سے زیادہ غیر ملکوتی معلوم ہوتا تھا، اس کے قالبِ نوری پر ارضی نقوش نہایت گہرے قائم تھے، اگرچہ وہ عالم بالا میں بھی کسی مقرب ترین جماعت میں شامل نہ تھا، بلکہ بعید ترین مقام کی ایک ایسی جماعت سے متعلق تھا جس تک نورِ ابدی کی شعاعیں نہایت ہلکی ہو کر پہنچتی ہیں، لیکن باایں ہمہ ارضی نوجوانوں میں وہ نہایت جمیل اور حد درجہ درخشاں نظر آتا تھا۔ ہر چند اس کی روشنی کی حقیقت اب ایک داغ میں تبدیل ہوگئی تھی، لیکن ہنوز اس میں اتنی نورانیت باقی تھی کہ زمین کی مخلوق سے ممتاز نظر آ رہا تھا، اس کی پیشانی پر افسردگی محبت کے افکار پیدا تھے اور اس کا چہرہ معدوم ہو جانیوالی دنیاوی مسرتوں کے نقوش کا حامل تھا۔ ایک طویل آہِ سرد کے ساتھ اس کا حافظہ گذشتہ حسرتوں پر سے غلاف ہٹانے لگا اور اس نے اپنی داستانِ غم کی یوں ابتدا کی :-

ماخیل کا فسانۂ محبت

مشرقِ زرپاش کے اُس حصۂ بعید میں، جہاں محبوبۂ فطرت کو اپنے آفتاب کا معانقۂ محبت حاصل کرنیکے لئے رات کے وقفۂ تاریک کا زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑتا، اُس گوشۂ ارض میں جو اتصال آسمان کے باعث آسمانوں کا سنگِ در معلوم ہوتا ہے، ایک صبح میرے لئے حکم سفارت نازل ہوا؛ میں نے ابھی نصف نشیب طے کیا تھا کہ مجھے اپنے اُترنے کے لئے انتخاب مقام کا خیال پیدا ہوا اور یہی خیال سے میری نگاہیں زمین کی جانب جھک گئیں۔ آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ فضائے لاجورد میں سے میری آنکھوں نے کون سا تماشائے ارض دیکھا؟ میری آنکھیں جو انوارِ سماوی کی عادی تھیں، کس طرح زمین کی آئینۂ سامانی میں غرق تحیر ہوگئیں؟ نہیں، ہر چند کہ آپ ملکوتی نژاد ہیں، لیکن اُس حالت، اُس کیفیت کا اندازہ آپ کے لئے بھی مشکل ہے۔ میں نے بہارِ حسن کا ایک غنچۂ تبسم، ایک گل ناشگفتہ دیکھا! میں نے دیکھا کہ ایک مصفّٰے چشمے کے اندر ایک دوشیزہ نہا رہی تھی، یعنی بلورِ رقیق کے اس چشمے نے اپنے

آغوش میں نزہت و صباحت کی اُس دیوی کو چھپا لیا تھا، تاہم چشمے کا یہ حجاب، اُس کی ضوفشانیوں کو اور بھی تابدار بنائے ہوئے تھا اور وہ اک ایسی آسمانی روح نظر آتی تھی، جو کبھی کبھی خواب کے دھندلکے میں نظر آجاتی ہے۔

تحیر کی فراوانی میرے بازوؤں کی تکان و معذوری ہو کر رہ گئی اور ذرا سنبھلنے کے بعد میں نے پھر جو غور کی نظر ڈالی اور دیکھا کہ وہ اپنی خوش فعلیوں سے پانی کی موجوں کو پاش پاش کر رہی تھی، تو ایسا معلوم ہوا کہ الماس کی قلمیں ماہتاب کی روشنی میں ریزہ ریزہ کی جا رہی ہیں۔ جب وہ حرکت کرتی تو معلوم ہوتا کہ وہ، ایک موج کے اندر تیر رہی ہے، جو خود اس کے جسم سے پیدا ہے۔ غرض میں، اس لئے کہ اس سحر مجسم کو قریب سے دیکھ سکوں، کمال احتیاط و خاموشی کے ساتھ نیچے اترا، لیکن جب میں اس سے قریب تر ہوا، تو میرے بال و پر تھرتھرانے لگے اور میں نے اپنے اندر ایک کہربائی اہتزاز محسوس کیا۔ میری اس حالت اضطراب و حرکت بوحی سے فضا کا آئینہ سکوت ٹوٹا اور وہ برق وش فوراً خائف ہو کر کنارے پر آگئی لیکن جو بار کی آغوشِ رقیق اس کے عکس صبح سے ہنوز لبریز تھی۔ وہ اس وقت اک ایسا پیکر یخ معلوم ہوتی تھی، جس کے اندر غروبِ آفتاب کی عبیر آلود کرنیں سرائت کر گئی ہوں۔ آہ، وہ اس کی آنکھیں اور اُن آنکھوں کی وحشت، اسوقت تک میرے دل میں گھر کئے ہوئے ہے! اس نے مجھے اپنی نیم نگاہی سے دیکھا، اس حال میں کہ اس کی حیا پرور آنکھیں داستانیں تھیں نزاکت کی، درس کا صحیفہ، رخ، روایاتِ عصمت کی تفسیر! میں نے اُسے دیکھا! اور وہ فورِ حیرت نے اُسے بھی ایک خیالِ مشکل، ایک نگاہِ منجمد بنا دیا، گویا کہ وہ کنارِ آب کوئی سوچ کھی کا درخت تھی۔

ہر چند اس تماشہ کا ختم کر دینا میرے لیے سخت دلشکن تھا، لیکن میں اس کی حیرت کی تکلیف کو برداشت نہ کر سکا اور اپنے کشادہ بازوؤں کے سایہ میں نیچے کی جانب جھکا۔ اُس کی گرمیِ نگاہ، شدت کے ساتھ میرے سارے جسم میں حرارت پیدا کر رہی تھی، لیکن اس سے قبل کہ میری آنکھیں جھپک کر دوبارہ کھلیں اور میں اس پر ایک اچٹتی ہوئی نظر بھی ڈال سکوں، وہ پریزاد نظروں سے غائب ہو گئی، جس طرح بادل اپنی خاکستری آغوش میں چاند کو چھپا لیتا ہے، نسائیت کا یہ بدر کامل بھی جنگل میں پنہاں ہو گیا! اس گھڑی کے بعد میں جذبہ کا محکوم ہو گیا جس کی تشریح ممکن نہیں۔ میں نے اس نواح کا چپہ چپہ چھان مارا، شب و روز کے لمحات میری تلاش کے ہم نوا نہ ہو سکتے تھے اور اس نور کی جستجو میں میرا فرضِ منصبی، میری سفارتِ سماوی، میرے ذہن سے یکقلم محو ہو گئی تھی۔ اس کے بعد جو کچھ میں دیکھ سکا وہ صرف ایک خواب کی تکرار تھی۔ یہ خواب اس کا خواب تھا جسے میں اُس آبدار چشمے

کے پانی میں ڈھونڈھتا رہتا تھا۔

لیکن جب میں نے اپنے ملحاتِ خوش، اپنے ایامِ شاد کام کو اس کے پہلو میں پالیا تو وہ دورِ جستجو ایک لمحہ سے بھی کم معلوم ہوتا تھا۔ اسکے سوادِ چشم میں اس کی اُن آنکھوں میں، جو رات کی سیاہی اور سیماب کے ایک خوشگوار امتزاج سے بنی تھیں، اور جو آئینۂ حلب پر کسی خوابیدہ ناگن کا مفہوم تھیں، میں نے اس سعادت کو دیکھا جو ہماری سعادت سے زیادہ قابلِ پرستش تھی۔

پھر ایسی حالت میں کہ میں اس کی آنکھوں میں ڈوب جا سکتا تھا، اس کی آواز میں تحلیل ہو جا سکتا تھا، آسمان کی حقیقت میری نظر میں کیا ہو سکتی تھی؟ ہر چند مسطح زمین کی کثیف ہوا میرا تنفس ننگی تھی، لیکن وہ ہوا پاکیزہ تھی کیونکہ اس میں اس کی سانس شامل تھی۔ اگرچہ دنیا کے پھول بدرنگ تھے، آسمان دھندلا تھا، لیکن اس کا قرب، محبت کی روشنیوں سے انھیں دمکا دیتا تھا، منور کر دیتا تھا۔ میں نے ساری کائنات کو دو عالموں میں تقسیم کر دیا تھا: وجد گانہ عالموں میں، ایک تو وہ مختصر، محبوب و مطہر مقام جہاں وہ ہوتی، دوسرا وہ مجہول و بیکار عالم، جہاں وہ نہ ہوتی۔

لیکن میری التجائیں بے معنی تھیں، میری دیوانگی کا کوئی مفہوم نہ تھا اور اگرچہ میں اس کی نیم نگاہی پر فخر آسمان قربان کر چکا تھا اپنی ایک آرزوئے آوارہ کو کامراں بنانے کے لئے اپنے ملکوتی شہپروں کو نوچ کر اس شعلہ کی نذر کر چکا تھا، جس کے نام سے بھی مکینانِ سما آشنا نہیں، لیکن میری اس خواہش کی پذیرائی کیلئے میری کوئی امید آمادہ نہ تھی، کیونکہ وہ میرے واعیات کی ہمنوا نہ تھی جسطرح باغ میں پاکیزہ نرگس بے حس و تنہا کھڑی ہوئی نور آفتاب میں اور زیادہ قبیح نظر آنے لگتی ہے، اسی طرح وہ میرے سامنے ہوتی تھی۔ باوجودیکہ اُسے میرے ساتھ محبت اور شدید محبت تھی مگر وہ محبت بشری نہ تھی؛ نہیں، اس محبت کی دمک میں کوئی دنیاوی جزو شامل نہ تھا، وہ میرے ساتھ ایک ملائک نژاد کی طرح محبت کر رہی تھی۔

جس بارگاہ عالی، جس جنابِ رفیع میں، وہ اپنی عبادتِ صبحگاہی پیش کیا کرتی تھی اور جس کی روشنیاں شام کے اوقات میں اس کی آنکھوں کے اندر سما جایا کرتی تھیں، اُس کے خواب بار ہا اُس مرجع تجلی کے خیال سے مسعود ہو جاتے، اور اس لئے کہ وہ اس عالمِ اسفل کی بندشوں سے آزاد ہو کر، اس کی تاریکیوں سے نکلکر اُس مقامِ عظمت و جلال کی فضا میں پہونچ سکے، وہ ہمیشہ سے آرزومند شہپر تھی۔

ایک روز شام کے وقت شفق پھول رہی تھی اور ہم دونوں بیٹھے ہوئے اُسکی ارغوانی موجوں میں ڈوب رہے تھے،

کہ ناگہاں اُس کی نگاہ ایک ستارے پر پڑی جو اس طرح نظر آرہا تھا جیسے کوئی عروس یک شبی بستر عروسی میں پڑی ہوئی جھانک رہی ہو، وہ اس ستارے کو دیکھ کر متاثر ہوئی اور پکار کر کہنے لگی "اے ستارۂ حسین کاش میں تیرا فرشتہ ہوتی اور تیری پاکیزہ فضائے تنہائیں جس طرح اور چمکنے والی تمام ہستیاں رہتی ہیں بھی رہا کرتی، میں اپنی روح کو تابندگی اور تسبیح و تہلیل میں صرف کرتی، میں بھی اپنا عود و دان، آفتاب سے روشن کر سکتی اور اس کے شعلوں کو اُس معبود کی ضو میں پیش کر سکوں جو عرش کا مکیں اور ابدی ہے!"

واے بدقسمتی! یہ میری تقدیر تھی، یہ میرا جرم تھا کہ میں ایک ایسی دوشیزہ کی محبت میں مبتلا ہو گیا اور اس کے شعلے میں جلنے لگا، جس کے سامنے دنیا کی آگ خنک تھی، مجھے اس سے عشق ہو گیا، جو اس قدر معصوم تھی اور جس کی روح رنگ بشریت سے اس درجہ منزّہ! اس کی وہ حالت و کیفیت دیکھنے کے قابل تھی، جب میرے دیوانۂ شوق لبوں نے پہلی بار جذبات عشق اس سے کہہ دئے۔ وہ سُن کر برہم نہیں ہوئی، اس کے محسوسات غصہ سے پاک تھے، لیکن اگر ایک طرف اس کی شکل سے بیزاری نمایاں تھی، تو دوسری طرف وہ حد درجہ ملول و غمگیں بھی تھی، وہ ایک رنج میں مبتلا ہو گئی، جو بے حد عمیق ہونے کے ساتھ پُرسکون بھی تھا۔ اُس کا دل اس درجہ لبریز غم تھا کہ وہ آنسو بھی نہ بہا سکی وہ اس خیال سے کہ ایک سماوی مخلوق، جس کی محبت کو اس نے اپنے مقصود کیلئے ایک سہارا سمجھ لیا تھا، جس کی محبت کو وہ عرش تک پہونچنے کا ذریعہ سمجھتی تھی پاکیزگی کی بلندیوں سے اعماق معصیت میں اس طرح منہ کے بل گر پڑے، ایک بت کی طرح ساکت و متحیر ہو کر رہ گئی۔

جس شب کا یہ واقعہ ہے، اُس رات میرا دل اندرونی سوز و تپش سے بے تاب تھا، کیونکہ میرا عہد سفارت ختم ہو چکا تھا اور عرش کے پاسبان فرشتے میرے منتظر تھے اور ہر شہاب ثاقب کو میرے بازوؤں کی جھلک سمجھ کر دیکھنے لگتے تھے، اس ساعت جاں گسل میں وہ مقدس الفاظ جن کے اثر سے ہم لوگ پرواز کر سکتے ہیں، واپسی فلک کے لئے بار بار میری زبان تک آکر رُک جاتے تھے، ایک مرتبہ تو تقریباً ادا ہو چکے اور میرے اماوہ پروانہ شہپر نور سماوی میں متحرک ہونا چاہتے تھے کہ میرا دل بیٹھنے لگا، میں اس دعا کو پورا نہ کر سکا اور اماوہ بیش بہا بازو پھر مفلوج ہو کر رہ گئے۔ اس دنیا کو جو اب میرے لئے سب کچھ تھی میرا چھوڑ کر چلا جانا کیونکر ممکن تھا؟ اسوقت تک کہ وہ وہاں سانس لیتی ہو متحرک ہو، مجھے اس کی کیا پروا ہو سکتی تھی کہ میں کہاں ہوں؟ غم تباہی، موت اور میرے لئے تمام آسمانی مسرتوں کے مقابلہ میں شیریں تر تھے، بشرطیکہ وہ مجھ سے جدا نہ ہو۔

اسی رات ایک جشن منعقد ہوا اور اس دنیائے روشن کی پُرشباب و حسین ہستیاں اس طرح جمع ہوئیں جس طرح نسیم پھولوں کے انبار لگا دیتی ہے۔ وہ بھی اس اجتماع شباب و حسن میں موجود تھی، یعنی محفلِ انجم کی زہرہ، بزم تابش کی مشتری بنی ہوئی تھی، اس کی لوحِ جبیں پر وہ اثرِ ظلمت نمودار تھا جو میں نے اپنے اظہارِ تعشق سے پیدا کر دیا تھا اور یہی پہلی تاریکی تھی جو اس کی بلوریں پیشانی پر کبھی نمایاں ہوئی

میرا دل دیوانہ تھا، میں نے اپنے تئیں اس سیلِ عشرت کے حوالے کر دیا، میں بہجت کی اُس جنوں خیز میں غرق ہو گیا جو ایک ناشکیبا کی خواہش کا نتیجہ ہوتا ہے، لیکن جو لوگ محسوس نہیں کر سکتے کہ طوفانِ غم کی طغیانی کا ایک پہلو یہ بھی ہوتا ہے، وہ اُسے حقیقتاً شادمانی و خرمی سمجھ لیتے ہیں، آہ وہ نہیں جانتے کہ حیات و مسرت کا اتصال ایک تمثیل ہے، اور تمثیل بھی الم خیز! اور اس میں جو کبھی کبھی روشنی نظر آتی ہے اس کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے میدانِ حرب میں تلواروں کے ملنے سے برق پاشیاں ہونے لگتی ہیں۔

حیف! یہی وہ پہلا موقع تھا کہ وہ عرق میرے کام و دہن کی لذت بنا جو بیک وقت دل و دماغ کے لئے برکت بھی ہے اور گمراہی بھی، وہ جرعۂ جادو اثر جو تخیل کو حسین تر بنا دیتا ہے، وہ سیال ممنوع جس کے قطرے قطرات قوسِ قزح کی طرح آن واحد میں انسانی تکدر کو تبسم بنا دیتے ہیں، جو تمام وسعتِ ارض کو درخشندہ کر دیتے ہیں، جو سارے نظامِ شمسی کی حرکت کو تھوڑی دیر کیلئے روک دیتے ہیں، ہاں اسی قطرۂ رنگین کی شبنمانی کیفیت، جب میرے حلق سے نیچے اُتری تو میری روح کی باقیماندہ روشنی اُن خواہشاتِ ناروا سے معمور ہو گئی جو صرف نورِ عرش سے علیحدہ ہونے کی صورت میں ہمارے اوپر مستولی ہو سکتی ہیں۔

سنئے اور ذرا توجہ سے سنئے، کہ میری زندگی کا اہم ترین واقعہ کس حسرت ناک اور جگر خراش طریق پر ختم ہوا میں اس کی تلاش میں اس کنج میں پہونچا جو ہمارا وعدہ گاہ تھا، اور جہاں آفتاب کو رخصت کر دینے اور دنیا کے ساکت ہو جانے کے بعد ہم ہمیشہ ملا کرتے اور دیر تک بیٹھے رہتے تھے۔ میں نے وہاں پہونچکر کیا دیکھا؟ آہ یہ کس طرح سناؤں، کیونکر کہوں، کن لفظوں میں ادا کروں کہ میں نے اُسے اس وقت کس درجہ حسین پایا؟ افسوس ہم فرشتوں کو باایں ہمہ مجبوری یہ بصارت کیوں دی گئی؟ یا اگر ایسا تھا تو آسمانِ رفیع پر ایسے حسین غنچے کیوں نہ پیدا ہو گئے، جن کو چنکر ہم اپنی اُس خلش کو مٹا سکتے جو عورت کے دیکھنے سے ہمارے قلب میں پیدا ہو جاتی ہے اور پھر اُسی کے مٹائے مٹ سکتی ہے؟ غرض میں نے دیکھا کہ وہ نگاہیں جنکا نشیمن صرف ایک تپیدہ محبت قلب ہی

ہوسکتا ہے اُسی ستارے پر قائم تھیں جو اس وقت نسبتاً زیادہ پاکیزہ روشنی سے جھلملا رہا تھا۔ اس ساعت میں پاکیزگی کا نزول ہو رہا تھا، اس منظر میں نیکی شامل تھی، اور اگر میرا دماغ اس طرح دیوانہ و مسموم نہ ہوتا تو یقیناً میں بھی اتنا مبہوت ہو جاتا، جتنی بہوشی عرشِ الٰہی کے سامنے کھڑے ہونے سے طاری ہو جاتی ہے، لیکن میری تو یہ حالت تھی کہ میری جاں بھنکی جا رہی تھی، ہونٹھ آتشِ تنفس سے خاکستر ہوئے جا رہے تھے۔ اس وقت میرا خیال عدن کی یاد سے بھر گیا۔

ہر چند میری نگاہ نے اس پر ثابت کر دیا تھا کہ میرے مقدس جذباتِ محبت میں ذرہ بھر الوہیت شامل نہ تھی، ایک شمہ ایسا نہ تھا جو اس پاک دیوی کے شوالے پر چڑھایا جا سکے، لیکن اس نے محسوس کر لیا تھا، آہ اس کے اس احساس کا خیال ہی میرے لئے حد درجہ اطمینان بخش ثابت ہوا کہ میری فتادگی عجز سے مملو تھی، میرے جذبہ کی صداقت میں فتادگی تھی اور اس کی محبت میرے دل میں از بس عمیق تھی، اس آفریدۂ ارضی نے جسے محبت حقیقی کی برکات نے مخلوقِ سماوی سے بلند مرتبہ کر دیا تھا، محسوس کر لیا تھا کہ میری محبت کی نیازمندیاں میری روح کا جزو خاص تھیں، اس نے میری کیفیت اور شدت دیوانگی کو ضبط کرنے کی کیفیت کو جو اس وقت بھی میرے اندر مصروف کار تھی، پوری طرح محسوس کر لیا تھا!

اس کے اثر تالم کی شدت سے رنج و غم کے جو جذبات میرے اندر موجزن تھے میں نے اُن کو پوری قوت کے ساتھ اپنے لہجہ میں منتقل کر کے کہا:-

"میرا مقسوم یہی ہے، کہ میں مایوسِ آرزو بنکر، مردودِ محبت ہو کر، آسمان کی طرف جاؤں اور وہاں کی تنہائی کے لئے میں اپنے ہمراہ یہاں کی ایک ایسی یاد بھی نہ لے جا سکوں، جو میرے سوز و طپش کا مرہم ہو سکے، لیکن کیا میں تیری ایک ایسی نگاہ بھی حاصل کرنے کا اہل نہیں جو کسی دیوانۂ محبت پر جس کے ارمانوں سے دنیا کی داستانیں لبریز ہوں، اُس کی جاں پاشیوں کے صلے میں صرف کی جاتی ہے؟ ممکن ہے کہ یہی ایک نگاہ وہ چیز ہو جس کی یاد آسمانوں میں میرے لئے راحت و برکت کا سبب ہو سکے۔

میں آرزو رکھتا ہوں کہ اپنے تھرتھراتے ہوئے بازوؤں پر تیری شب آفریں گیسوؤں کی آشفتگی ایک بار دیکھ لوں اپنی آنکھوں میں سحر آگیں نگاہوں کو سماتا ہوا ایک دفعہ محسوس کر لوں۔ اور تیرے لبوں کے عقیق ذی حیات کو ایک دفعہ اپنے ہونٹوں سے متصل کر کے اپنی داستانِ شوق کہہ دوں۔ آہ اگر میری یہ خواہش بہت زیادہ بلند ہے

تو کم از کم اپنی نکہت ہی کو مجھ سے قریب کر دے!

اے رم الفت، اے نگاہِ غیر ملتفت، تجھ سے صرف ایک حرف اختلاط کی آرزو رکھتا ہوں، دیکھ، میرے بال پر میں حرکت پیدا ہو رہی ہے۔ آہ میرے قریب آجا کہ وقتِ وداع ہمیں ایک دوسرے کے سامنے ہو جانا چاہیئے۔ آہ، ایک لمحہ کی لغزش کوئی ایسی بڑی خطا نہیں کہ معاف ہی نہ ہو سکے۔ کیونکہ تو بہت جلد میری زبان سے وہ دعا سننے والی ہے جس کے اثر سے میرے بازو جو سما میں صعود کرتے نظر آئیں گے!"

میں اپنے عجز و شوق کے جذبات کا یہ طوفان پیش کر رہا تھا اور وہ ناہید پری جمال تصویرِ احتراز بنی ہوئی تھی مجھ سے ڈر رہی تھی، اور شائد اپنے آپ سے بھی؛ وہ جنوبی ہوا کے نفس سوزاں کے اندر ایک پھول کی طرح سمٹ کر رہ گئی تھی۔ میرے ہونٹوں سے وہ اسم اعظم ادا ہونا شروع ہوا، افسوس اگرچہ میں اس وقت قطعاً بیگانۂ حواس تھا، لیکن اس وقت کی یاد میرے ذہن میں اب بھی تازہ ہے، میری آواز ان طلسم کشا الفاظ کو لے کر نکلی اور اس کے ساتھ ہی اس کی بھویں تنتی ہوئی نظر آئیں، اس کی نگاہیں پھر مجھ پر شرر فشانی کرنے لگیں، اس کی ہنسی پر ایک آنی روشنی کی طرح چھا گئی اور اس نے جوش و اضطراب سے متاثر ہو کر کہا:-

"ہاں اس دعا کو پڑھو، میں تمہاری آرزو پوری کرونگی!"

میں بالکل بے خبر تھا کہ میں نے کیا کہا، میرے جسم میں پہلے ہی سے ایک آگ سی پھنک رہی تھی، جیسے ہی اس کے لبوں پر ارتعاشِ گفتگو آیا، اس کے دہانِ شیریں سے یہ جملہ ادا ہوا، میں نے بیتاب ہو کر اس کا بوسہ لے لیا۔ ایک شعلہ ناک بوسہ لیا اور پھر اس اسم اعظم کو دہرایا، یہ وہ پر اسرار و مقدس الفاظ تھے، جو اس وقت تک کسی انسانی ہستی نے نہ سنے تھے، میں بمشکل اس دعا کو ختم کر سکا تھا کہ سرعتِ برق کے ساتھ یہ صدائے مقدس اس کے لبوں میں منتقل ہو گئی، اس کا چہرہ آسمان کی طرف اٹھ گیا۔ اور اس نے تین بار اسم اعظم کی تکرار کی۔

ایمان و اعتقاد جب وسوسے سے پاک ہو جاتا ہے تو ایسی صورت میں ایک بندے کے چہرہ پر جو رنگ کامیابی آجاتا ہے وہ رنگ اس کی ساری ہستی پر چڑھ گیا، آن واحد میں اس کا پیکر یکسر نور بن گیا، اور پھر میں نے اس کے شانوں پر دو حسین و شاندار پر پیدا ہوتے دیکھے، جو بالکل ملائکہ عرش کے پروں کی طرح تھے۔ جب وہ فرشِ زمین سے بلند ہوئی، تو چاند کی کرنیں اس کے بال و پر میں منعکس ہو رہی تھیں، وہ یکسر نزہت و پاکیزگی تھی اور عزازیل کے مردود ہونے کے دن سے جب وہ سیارگانِ ضوفشاں کے نور کا ایک ثلث حصہ اپنے ساتھ لے گیا تھا، میں نے کبھی ایسی روشنی نہیں

دیکھی تھی، وہ برق مجسم اپنے تمام حسن ارضی کے ساتھ آسمانوں میں جو جگہ خالی رہ گئی تھی اس کے پُر کرنیکے لئے چلی گئی!

لیکن کیا آپ کا خیال ہے کہ میں مایوسانہ اس کی پرواز و صعود کو دیکھتا رہا؟ نہیں۔ بلکہ میں نے بھی اُن بابرکت کلمات کو تین بار دہرایا تاکہ میں پھر اسی رات میں اس تسکین و مسرت کو پالوں جو ملاء اعلیٰ میں بھی لاثانی ہے، اور جنت میں پہونچکر پھر ایک مرتبہ اس کی نگاہوں کے سامنے، اس کی روح کے پہلو بہ پہلو ہو جاؤں۔ لیکن وائے نصیب، میں نے ان حروف کی تین بار ہی نہیں بلکہ بار بار تکرار کی مگر سب بے اثر؛ میں نے دعائیں مانگیں آنسو بہائے، لیکن سب بے معنی؛ کیونکہ اب میرے لئے ان لفظوں کا اثر نائل ہو چکا تھا، اور اب میں اپنے تئیں کسی کثیف زنجیر میں جکڑا ہوا پاتا تھا میں اڑنے کے لئے جتنی زیادہ سعی کرتا تھا۔ اسی قدر اپنے بازوؤں کو زیادہ مضمحل پاتا تھا، میری ہر وحشیانہ کوشش اس حلقے کی بندش کو تنگ تر کرتی جاتی تھی اور میرے شہپر حرکت سے معرا معلوم ہوتے تھے۔

میں اسے برابر دیکھتا رہا اور وہ، جو ستارہ چمک رہا ہے، اُس ستارہ تک پہونچگئی اور اس جزیرہ زرین کی ملکہ بنگئی، جس کا خیال اسے کبھی فراموش نہ ہوتا تھا!

ممکن ہے کہ یہ صرف میرا واہمہ ہو، لیکن مجھے خیال ہے کہ اسنے اپنی پروازمیں، جب وہ فضائے لطیف میں تیر رہی تھی، اپنی نئی پیدا ہونیوالی تابش کے ساتھ، مجھے جو سطح ارض کی تیرگی میں گھرا ہوا کھڑا تھا، ایک نگاہِ رحم سے دیکھا تھا، اور اگر رحم آسمانوں جگہ پا سکتا ہے، تو میں اب بھی اس کے جذبۂ ترحم کا مرکز بنا ہوا ہوں اور جب بھی وہ اس کثیف عالم پر نظر ڈالتی ہے مجھے یاد کر لیتی ہے۔ وہ بلند سے بلند تر ہو کر، عروس سما کے ذرۂ افشاں کی طرح، ایک نقطۂ درخشاں بنگئی؛ اور جب میری خستہ نگاہوں نے اس کی آخری تابش کو دیکھا تو اس لمحہ سے میری روح اور محبت کی روشنی زائل ہوگئی اور میں اپنا وطن اپنی نسل غرض اپنا سب کچھ بھول گیا۔ میرا نفس مرتد ہوگیا، میری پیشانی ذلیل ہوگئی اور میں دنیاوی رنگ و بو میں وہ کچھ ہوگیا جو اسوقت نظر آرہا ہوں!

ماخیل نے ندامت، ایک ایسی ندامت سے سر جھکا لیا کہ وہ بجائے خود ایک داستان تاسف تھی۔ اس دوران میں کہ اس نے اپنی واردات حیات بیان کی، ایک مرتبہ اس کی آنکھیں اُس خرم و تابان ستارہ کو دیکھنے کیلئے اُٹھی تھیں، جہاں اس کی محبوبہ اپنے حجلۂ نور و پاکیزگی میں متمکن تھی۔ ایک لمحہ دیکھتے رہنے کے بعد اس نے سر جھکا لیا، گویا اس کے اس نور کی کرنیں زہر آلود تیر تھے، جو اس کے دل و دماغ میں پیوست ہو رہے تھے۔ اس نے پھر اس طرف نہ دیکھا۔

(باقی)

ل - احمد

انقلاب و دستوریت ایران

پر
ایک اجمالی نظر

دُولِ اسلامیہ میں دولت عثمانیہ کو یہ فخر اولیت حاصل ہے کہ اس نے ۱۸۷۶ء میں سب سے پہلے دستوریت کا اعلان کیا اسکے بعد دوسرا درجہ ایران کی حکومت کا ہے جس نے ۱۹۰۶ء میں اپنے یہاں دستوریت کا اعلان کیا، لیکن ان دونوں میں یہ عجیب و غریب مماثلت پائی جاتی ہے کہ جس طرح اس زمانہ میں کچھ ہی دنوں کے بعد قسطنطنیہ کی دستوریت معطل کر دیگئی، اسیطرح کم و بیش اتنے ہی مدت کے بعد ایران کی دستوریت کا بھی خاتمہ کر دیا گیا، ایران میں انقلاب کے ابتدائی آثار آج سے کم و بیش چالیس برس پہلے ظاہر ہوئے تھے، گویا یہی دستوریت عثمانی کے شعلہ کی کوئی چنگاری تھی جو ایران کے خرمن استبداد کو آ لگی، اسی زمانہ سے ایران میں کچھ لوگ اصلاح، مساوات اور حریت و آزادی کے الفاظ زبان سے نکالنے لگے، تمام ایرانی اسکو تسلیم کرتے ہیں کہ انکی روح کو سب سے پہلے پیدا کرنے اور ترقی دینے کا فخر مرحوم سید جمال الدین افغانی کو ہے جنھوں نے سچ تو یہ ہے کہ نہ صرف ایران بلکہ مصر، عرب، قسطنطنیہ اور تمام عالم اسلامی میں اس کو پیدا کرنے کی ایک بے نظیر جد و جہد کی تھی اور وہ یقیناً اپنے اس عظیم الشان مقصد میں کامیاب ہو گئے۔

ایران میں بیداری و احساس کی پہلی علامت سنہ ۱۸۹۱ء تنباکو میں حکومت کے طرز عمل کے خلاف ایرانیوں کا موثر احتجاج، غیر معمولی استقلال اور کامیاب اعتراض و اختلاف تھا۔ واقعہ یہ تھا کہ سنہ ۱۸۹۰ء میں ناصر الدین شاہ نے ایک انگریزی کمپنی سے یہ معاہدہ کیا کہ وہ کمپنی ایران میں جس قدر تنباکو پیدا ہو سبکو خرید لے اور پھر جس قیمت پر چاہے فروخت کرے۔ کمپنی کو یہ توقع تھی کہ پانچ لاکھ پونڈ سالانہ اسکو نفع ہوگا، اسمیں سے ایک چوتھائی از روے معاہدہ شاہ ایران کا حصہ تھا، اور بقیہ کمپنی کے مالکوں کا۔ ایرانیوں کو جب اس معاہدہ کی اطلاع ملی تو انہوں نے اسکو ملک فروشی سے تعبیر کیا اور اس معاہدہ کو کالعدم کر دینے کے درپے ہوئے۔ جب یہ معاملہ طول کھینچا، حکومت اپنی ضد سے باز نہ آئی، اس نے اہل ملک کی مخالفت و ناراضگی کا کوئی لحاظ نہ کیا اور انکے خلاف مرضی معاہدہ کو عملی صورت میں لانا چاہا تو وہاں کے علماء نے سنہ ۱۸۹۱ء میں ایک فتوی جاری کیا جسمیں تنباکو کا استعمال

اور اسکی خرید و فروخت سب کچھ حرام قرار دیا علما نے جو فتوی دیا، اسکی عبارت نہایت مختصر اور الفاظ بہت کم تھے یعنی یہ

الیوم استعمال تنباکو و تمبائی نحو کان در حکم محاربہ با امام زمان عجل اللہ فرجہ است

لیکن نہ معلوم ان الفاظ میں کیا تاثیر تھی کہ شائع ہوتے ہی تمام تنباکو فروشوں نے اپنی دکانیں بند کردیں تنباکو کی کثیر مقداریں آگ لگا دیگئی، لوگوں نے اپنے گھروں سے اس کو نکال نکال کر سڑکوں اور گلیوں میں پھینکدیا ہر شخص نے اپنے قلیان اور چبوق توڑ ڈالے اور نہایت حیرتناک طریقہ پر ایک قلیل عرصہ میں تمام ملک نے تنباکو کے استعمال کو ہر طرح ترک کردیا، غیر ملکی سفارتخانوں میں جو ایرانی نوکر تھے انہوں نے تنباکو کو ہاتھ لگانے سے انکار کردیا خود شاہ ایران کے نوکروں نے بھی شاہ کے روبرو اسی فتوی کی بنا پر اس خدمت کی بجاآوری سے معذوری ظاہر کی لیکن ان سب سے زیادہ عجیب بات یہ ہے فتوی کی تعمیل صرف مسلمانوں نے نہیں بلکہ غیر مسلموں نے بھی انہیں کیطرح کی، چنانچہ اس بارہ میں مصنف تاریخ بیداری ایرانیان لکھتا ہے،

"دیگر معلوم شد کہ باین اختلاف مذہبی بین ملت ایران ممکن است ہمگی در امرے متفق شوند چنانکہ از انتشار حکم مذبور در ہمہ بلدان ایران عموم مردم بہر مذہبیکہ بودند متفق شدہ قلیان و چبوق و سیگار را ترک کردند، مردم بدست خود قلیانہا را شکستہ و بسیارے از تنباکو را آتش زدند"

غرض اس تحریک نے حکومت کا نشۂ اقتدار اتار دیا، رعایا کی قوت کے مقابلہ میں اس نے شکست کھائی اور مجبور ہو کر اسکے مطالبات کے آگے سر تسلیم خم کردیا، ناصرالدین شاہ نے اس معاہدہ کو منسوخ کیا، لیکن اس کے لئے مالکان کمپنی کو پانچ لاکھ گنی کی رقم بطور تاوان ادا کرنا پڑی، یہ رقم ۶ فیصدی سود کی شرح پر "ایرانی بینک" سے لیگئی اور اسطرح حکومت ایران کو مقروض ہوجانیکے علاوہ تیس ہزار گنی سالانہ کا سود ادا کرنا پڑا۔

یہ وہ زمانہ تھا جب ایران میں حقوق حاصل کرنے اور اپنے دائرہ اقتدار کو وسعت دینے کیلئے روس و انگلستان دونوں حکومتیں کوشاں تھیں، مسئلہ تنباکو نے ایرانیوں کو عام طور پر انگریزوں کی طرف سے متنفر کردیا تھا، اسپر مزید یہ کہ حکومت ایران نے ایرانی بینک سے روپیے قرض لئے تھے اور سالانہ ایک بڑی رقم اس بنک کو سود میں ادا کرتی تھی۔ یہ بنک بھی انگریزی ہی تھا اس لئے ایرانی عام طور پر انگریزوں ہی کو اپنا دشمن سمجھتے تھے۔ ان حالات نے روس کو بہت زیادہ ایران میں اپنا اثر قائم کرلینے کا موقع دیا، یہی روس کی خوش قسمتی تھی کہ اس وقت ایران کا صدر اعظم

امین السلطان تھا جو علانیہ روسیوں کا طرفدار اور انگریزوں کا مخالف تھا۔ اسمیں شبہہ نہیں کہ امین السلطان قوی العزیمت شخص تھا۔ اسمیں کافی سیاسی ذہانت و فراست موجود تھی۔ افسوس ہے کہ اس نے اپنی ذہانت کو ملک و قوم کی خیراندیشی میں صرف نہیں کیا، وہ کافی مدت تک صدر اعظم رہا لیکن اس کے عہد صدارت میں ملک کا قدم تباہی و بربادی کی راہ میں آگے ہی بڑھتا رہا۔

سورش تنباکو کے سلسلہ کی آخری کڑی ناصرالدین شاہ کا واقعۂ قتل ہے جو مرزا احمد رضا کرمانی کے ہاتھوں عمل میں آیا۔ سنہ ۱۸۹۶ء میں مظفرالدین شاہ نے مرحوم شاہ کی جگہ لی۔ یہ کم و بیش گیارہ برس تک حکمراں رہے، لیکن انکے زمانہ میں ایران ہمیشہ انقلابات کا میدان بنا رہا اور حکومت قرضوں کے بار سے دبتی گئی۔ مظفرالدین شاہ نے تخت حکومت پر قدم رکھتے ہی پہلا کام یہ کیا کہ امین السلطان کو منصب صدارت عظمی سے معزول کر دیا اور اسکی جگہ پر امین الدولہ کو مقرر کیا جو محب وطن اور خیراندیش ملک و ملت تھا؛ اور مالیات کی نظارت ناصرالملک کے سپرد کی جو اصلاح طرز حکومت کے حامی تھے، لیکن ایران کی بدقسمتی کہ ان لوگوں کو اسکی کوئی خدمت کرنیکا موقع نہ ملا۔ ان کے برسراقتدار ہوتے ہی شاہ کی صحت خراب ہوگئی اور اطبا نے سفر یورپ اور وہاں کے معدنی چشموں میں غسل کرنیکا مشورہ دیا؛ ادھر حکومت کا خزانہ خالی تھا، اس لئے اس غیر معمولی موقع پر قرض لینے کے سوا کوئی چارہ نظر نہ آیا۔ امین الدولہ نے لندن سے ایک ملین گینی قرض حاصل کرنیکی کوشش کی لیکن وہ ناکامیاب رہا اسلئے اسکو اپنی عہدہ سے مستعفی ہو جانا پڑا اور اب پھر اسکا حریف امین السلطان صدر اعظم ہوا یہ سنہ ۱۸۹۸ء کا واقعہ ہے۔

سنہ ۱۹۰۰ء میں امین السلطان نے روس سے بائیس ۲۲ ملین روبل (روسی سکہ) چوبیس لاکھ گینی کا قرض حاصل کیا اور اس قرض کی ضمانت میں صوبہ فارس اور خلیج عجم کے سوا تمام مملکت ایران کا محکمہ چنگی اسکے حوالہ کر دیا، اس قرض کا سود پانچ فیصدی کی شرح سے طے پایا اور اس معاہدۂ قرض کی ضروری شرطیں یہ تھیں:-

(۱) یہ رقم قرض پچہتر برس کی مدت میں دولت روس کو ادا کیجائیگی۔

(۲) اسی رقم قرض میں سے ایرانی حکومت ایرانی بنک کا وہ قرض بھی ادا کریگی، جو اس نے خسارت مسلہ تنباکو کے موقع پر لیا تھا۔

اب اس قرض اور اسکی شرطوں کے معنی صاف ظاہر ہیں محکمۂ چنگی کے ذریعہ سے روس، ایران کی حکومت میں شریک و سہیم ہو گیا؛ اور انگریزی قرض واپس دلاکر اس نے اپنے حریف برطانیہ کے اثر و اقتدار کو فنا کر دیا، اور اسطرح

وہ ایران کی حکومت و سیاست میں تنہا با اثر و اقتدار رہگیا گو سنہ ۱۹۰۱ء میں حکومت برطانیہ روس کے مقصد کو اچھی طرح سمجھ چکی تھی، لیکن وہ اسوقت جنوبی افریقہ کی جنگ میں اسقدر منہمک تھی کہ اسطرف اپنی کافی توجہ منعطف نہ کرسکی۔ سنہ ۱۹۰۲ء میں حکومت ایران نے ایک ملین (۱۰ لاکھ) گینی کا دوسرا قرض چار فیصدی شرح سود پر حکومت روس سے لینا چاہا، چنانچہ اس بارہ میں گفت شنید ہوئی اور روس نے اس شرط پر یہ رقم قرض بھی دی کہ اسکو تبریز ہوکر خلفا سے قزوین تک ریل بنانیکی اجازت دیجائے۔

اس معاہدہ نے دوسری مرتبہ حکومت برطانیہ کو مسئلہ ایران کی طرف متوجہ ہونے پر مجبور کیا۔ روس کے تجارتی معاہدہ نے برطانوی تجارت کو ایران میں سخت نقصان پہنچایا تھا۔ اسکے دفعیہ کے نام سے برطانیہ نے اپنے کام کو تجارتی معاہدہ کے پردہ میں شروع کیا، اور سنہ ۱۹۰۳ء کے آغاز میں اس نے وائیکاونٹ ڈاون کی ریاست میں شاہ ایران کیلئے تہنیت و تشنانات اعزاز کا ہدیہ لیکر ایک وفد روانہ کیا، یہ وفد کامیاب لوٹا اور ایک تجارتی معاہدہ برطانیہ اور دولت ایران کے درمیان وجود میں آیا۔ اسی سال لارڈ کرزن نے خلیج فارس کی مشہور و معروف سیاسی سیاحت بھی کی، اور یہ پہلا موقع تھا، کہ ایشیا کے سیاسی جغرافیہ میں خلیج فارس کو ہندوستان کی سرحد قرار دیا گیا، چنانچہ مسئلہ خلیج فارس کے متعلق لارڈ کرزن نے اپنی زبان سے یہ الفاظ ادا کئے تھے:-

"خلیج فارس میں برطانیہ کے اقتدار کی بنا صرف وہ معاہدے نہیں ہیں جو برطانیہ کے ساتھ ہوئے ہیں بلکہ اسکی بنا اور ہی کچھ ہے۔ خلیج فارس میں بلا شرکت غیرے ہماری ہی تجارت ہے، سو برس سے ہم وہاں کیلئے اپنی جانیں لڑا رہے ہیں ہم نے لاکھوں روپیہ کا سرمایہ وہاں لگا دیا ہے اور ہم اپنی بحری قوت وہاں قائم رکھنا چاہتے ہیں اسکے علاوہ ہمیں وہاں ہر طرح کا تمدنی تفوق حاصل ہے اور جو چیز سب سے زیادہ قابل لحاظ ہے وہ یہ ہے کہ خلیج فارس ہندوستان کی بحری سرحد ہے جسکی حفاظت گویا ہندوستان کی حفاظت ہے"

یہاں تک تو ایران کی کمزور حالت اور روس و برطانیہ کی مداخلت و کشمکش کا ایک اجمالی تھا، اب یہ دیکھنا چاہیئے کہ اہل ایران نے ان واقعات سے کیا اثر لیا اور انہوں نے انکے برے نتائج کی روک تھام کیلئے کیا طرز عمل اختیار کیا سنہ ۱۹۰۳ء میں امین السلطان صدر اعظم اور امین الملک شاہ کے طبیب خاص میں سخت اختلافات پیدا

ہوئے مامین الملک لائق عقلمند، محب وطن، اور خیر خواہ قوم شخص تھے، انکی انہیں خوبیوں نے انکو امین السلطان کے طرز عمل کا مخالف بنا دیا، اور اس سخت اختلاف کا خاتمہ امین الملک مرحوم کی افسوسناک موت پر ہوا، یہ موت طبعی طور پر واقع ہوئی یا کسطرح؟ اسکا صحیح علم خدا کو ہے لیکن عام طور پر یہ خیال کیا گیا کہ امین السلطان نے انکو زہر کھلوا دیا اس بنا پر تمام علما فقہا اس کے مخالف ہو گئے، اور نجف اشرف و کربلائے معلی میں سخت ہیجان پیدا ہوا امین السلطان پر کفر کا الزام لگایا گیا، یہانتک کہ ان نازک حالات کے نتائج و عواقب سے بچنے کیلئے اسکو ایران چھوڑ کر روس کی طرف بھاگجانا پڑا۔

اب امین السلطان کی جگہ پر عین الدولہ کو صدارت نصیب ہوئی۔ عین الدولہ مغرور، خر دماغ، اور جاہل شخص تھا لیکن یہ ایران کی بدقسمتی تھی کہ صدارت عظمیٰ اور وزارت داخلہ جیسے دو اہم مناصب اسی کی قسمت میں آئے۔ عین الدولہ نے موسیو نوز بلجیم کو محکمہ جنگی کا ناظم اعلیٰ مقرر کیا۔ ایرانی خود اپنے ملکی حکام کے مظالم سے کچھ کم پریشان حال نہ تھے، اسوقت ایران میں ظلم و تعدی روزمرہ کے معمولی واقعات تھے، تمام صوبوں میں نہایت سخت اور ظالمانہ حکومت جاری تھی، صوبہ فارس کی حالت یہ تھی کہ وہاں شاہ کے فرزند شعاع السلطنۃ کی حکومت تھی۔ عوام اس سے بے انتہا نفرت کرتے تھے، اس زمانہ میں لوگوں نے جبراً ہنگاموں اور بلوؤں کے ذریعہ سے اسکو فارس سے نکلجانے پر مجبور کیا، لیکن پھر وہ دوبارہ فوجی طاقت کی مدد سے اس پر فرمانروا بن گیا تھا، اور بے انتہا مظالم کئے تھے۔ ان مظالم کا اندازہ ہر شخص اسطرح کر سکتا ہے کہ جن لوگوں نے اسکو تخت سے اتر جانے پر مجبور کیا، اور وہ پھر دوبارہ ان پر کامیاب ہوا، تو اس وقت انکے خلاف اسکے جذبات انتقام کسقدر تیز اور مشتعل نہ ہونگے؟ مشہد میں امین الدولہ نے جو مظالم کئے وہ بالکل ناقابل بیان ہیں، اس نے سوسائٹی، اخلاق، قانون اور مذہب غرض ہر چیز کی ضروری پابندیوں کی طرف سے قطع نظر کر لی تھی، وہ صرف ظلم و انتقام سے آشنا تھا، ایک مرتبہ مشہد کے لوگوں نے اس کے طرز عمل کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی، اس نے ان پر ظلم کا ہاتھ ڈالنا چاہا، بیچارہ عوام نے مسجد میں پناہ لی، کہ یہ خدا کا گھر تھا، لیکن اس نے خدا کے گھر کا بھی احترام نہ کیا، اور ان پر گولیاں برسانیکا حکم دیدیا، ظفر السلطنۃ نے کرمان کے بڑے بڑے مقتدر مجتہدین سے انکے منصب سے فروتر خدمتیں لیں، وزیر اکرم نے ایک فقیہہ اور چودہ پندرہ بڑے بڑے تاجروں کو کوڑے لگوائے لیکن بہرحال یہ جو کچھ تھا، اپنے بھائیوں کی طرف سے تھا، جنکے متعلق ان کے جذبات اور حسیات بالکل جداگانہ تھے عین الدولہ نے یہ اضافہ کیا، کہ موسیو نوز کو یا اقتدار حاکم بنا کر اہل ایران کو ملکی تو ملکی غیر ملکی اقتدار کا جوا اٹھانے پر مجبور کیا۔ لوگ

عموماً موسیو نوز کی سخت گیریوں سے نالاں تھے، ایران کی حکومت میں اسکو اتنا اثر و اقتدار حاصل ہو گیا تھا۔ متعدد وزارتوں کی خدمتیں اسکے سپرد تھیں، ملک کے تمام اہم مقامات اس کے قبضۂ اقتدار میں تھے، ایرانی ان حالات کو دیکھ دیکھ کر اس کی طرف سے اور زیادہ پریشان و ہیجان ہو گئے تھے۔ اسی زمانہ میں موسیو نوز نے اپنا ایک فوٹو کھنچوایا، جسمیں وہ فقہا کا لباس پہنے اور سر پر عمامہ پہنے ہوئے تھا۔ اس فوٹو نے عام لوگوں میں یہ خیال پیدا کر دیا کہ اس نے اسطرح انکی مذہبی توہین کی ہے، اب علماے دین اور مذہبی اشخاص کے حلقوں میں بھی گرمی پیدا ہوئی اور سب نے متفق ہو کر اسکے خلاف صداے احتجاج بلند کی۔

موسیو نوز، علاؤ الدولہ کی معزولی اور اجراء عدالت کا مطالبہ

ان واقعات نے ایرانی قوم کو بیدار کر دیا، اور وہ اپنے حقوق کی حفاظت و مدافعت کیلئے سرگرم کار ہو گئی انمیں بڑے بڑے خطیب و داعی اصلاح پیدا ہوئے چنانچہ علما میں آقا سید عبداللہ بہبہانی اور آقا سید محمد طباطبائی کا نام ہمیشہ زندہ رہے گا، یہ حامیان دستوریت کی صف اولیں میں تھے۔ فقہا کی جماعت میں سید جمال الدین خطیب اصفہانی نے خاص طور پر شہرت حاصل کی، یہ قومی تحریکات کے لیے انتہا حامی اور عنوان اصلاح و دستوریت پر بہت بڑے خطیب گذرے ہیں۔ علاؤ الدولہ اور موسیو نوز کی سخت گیر پالیسی اور واقعۂ تصویر نے عام لوگوں میں سخت بے چینی پیدا کر دی تھی، خاص پایۂ تخت طہران میں ہنگامہ و فساد پیدا ہو گیا۔ مسجد شاہ واقع طہران میں علما فقہا، تجار اور عوام کی مجلسیں منعقد ہوئیں، اس مجلس کے مطالبات صرف دو تھے۔

۱۔ چونکہ علاؤ الدولہ نے بار بار تجار ایران کی توہین کی ہے، اسلئے اس کی پاداش میں اسکو طہران کی حکومت سے معزول کر دیا جائے۔

۲۔ بادشاہ ایک مجلس منعقد کریں کہ اور دوسرے مظلومین کی فریاد سنی جائے اور داد رسی کیجائے۔

اس مجلس میں امام صاحب مسجد شاہ کی سازش کیوجہ سے سخت ہنگامہ برپا ہوا، یہ امام صاحب در پردہ علاؤ الدولہ سے ملے ہوئے اور اسکے وظیفہ خوار حامی تھے بہرحال مجلس منتشر ہوئی، اور اصلاح طلب جماعت کا مخفی اجتماع آقا سید طباطبائی کے گھر میں ہوا، اور یہ طے پایا، کہ تمام ممتاز اشخاص شہر سے درگاہ حضرت عبدالعظیم میں جا کر پناہ لیں، چنانچہ تمام علما نے شہر چھوڑ کر درگاہ میں پناہ لی یہ ۱۹۰۵ء کا واقعہ ہے، اور اس کو ایرانی "ہجرت صغری" کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

علمار مجتہدین، فقہا رتجار اور طلبار کی اسطرح علیحدگی، بجائے خود ایک موثر چیز تھی؛ ادھر روز بروز پناہگیروں کا مجمع بڑھتا جاتا تھا، ان پناہ گزینوں کے پاس مختلف ذرائع سے کافی روپیہ جمع ہو گئے تھے۔ بیان کیا جاتا ہے، کہ خود امین السلطان سابق وزیر اعظم نے چھ ہزار گینی ان پر صرف کیا۔ ان حالات نے حکومت کو مجبور کیا کہ وہ جسطرح بھی ممکن ہو انکو شہر میں لانیکی کوشش کرے عین الدولہ بلکہ شاہ نے بھی کوششیں کیں، لیکن مجتہدین و تجار نے صاف صاف کہدیا، کہ جب تک ہمارے مطالبات قطعی طور پر منظور نہ کر لئے جائیں گے، موجودہ حالت میں کوئی فرق نہیں آسکتا، اس موقع پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان مطالبات کی اہم دفعات کی بھی تصریح کر دیجائے جو مہاجرین نے پیش تھے۔

مہاجرین کے اہم مطالبات

۱۔ حاجی مرزا محمد رضا کرمانی کو جو فسجان کی طرف جلاوطن کر دئے گئے تھے، اعزاز و احترام کیساتھ کرمان لایا جائے

۲۔ ملک کے ہر مرکزی شہر اور اہم مقامات میں عدالتخانے قائم کئے جائیں، جہاں عدل و مساوات کے ساتھ فیصلے صادر ہوں۔

۳۔ بغیر کسی بڑے یا چھوٹے، امیر یا غریب، باوقار یا کم حیثیت، کے لحاظ و خیال کے ہر شخص کے ساتھ قانون اسلام کے مطابق عملدرآمد کیا جائے۔

۴۔ موسیو نوز کو جنگی، مالیات اور ڈاکخانوں کی ریاست و ارادت سے معزول کر دیا جائے۔

۵۔ علاو الدولہ کو طہران کی حکومت سے معزول کر دیا جائے۔

اس میں تین دفعات اور رہیں مگر ان کا تعلق خاص خاص واقعات اور مقامی حالات سے ہے، اسلئے انکو قلمانداز کر دیا گیا عین الدولہ اور شاہ کی کوششوں کو جب مہاجرین نے ناکام کر دیا، تو پہلے کچھ دنوں تک شاہ نے بھی بے اعتنائی سے کام لیا، اور حضرت عبد العظیم کے لوگوں کو یہ ممانعت کر دی کہ کوئی ان مہاجرین سے تعلقات نہ رکھے نہ ان کے پاس آئے جائے، اور نہ انکی کسیطرح مدد کرے، مگر اقتدار کا یہ غرور زیادہ دنوں تک قائم نہ رہ سکا اور بالآخر شاہ نے رؤسار مہاجرین کے نام اپنے دستخط خاص سے ایک خط لکھا، جسمیں قیام عدالت کا صریح وعدہ کیا، اس موقع پر مظفر الدین شاہ کے دو خطوں کا درج کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے، انمیں سے ایک مہاجر علمائے اعلام کے نام ہے، جسمیں انکے مطالبات پورے کرنے کا وعدہ ہے۔ اور دوسرا خط آقا بک اعظم کے نام ہے جسمیں عدالتخانوں کے

قیام کا حکم ہے۔

دستخط شاہ بعلماء اعلام

جنابان مستطابان شریعتمداران علمائے عظام سلمہم اللہ تعالیٰ، جنابان آقا مرزا مصطفےٰ و آقا مرزا ابوالقاسم و آقا مرزا محسن واعتماد الاسلام را کہ برائے اظہار مطالب خودتان نزد جناب اشرف اتابک اعظم فرستادہ بودید، از شرح پیغامات شما مطلع شدیم، این مسئلہ را باید عموم علمائے عظام بدانند کہ رافت و معدلت ما ہمیشہ بہ افراد رعیت شامل بودہ خصوصاً نسبت بعلماء اعلام کہ دعاگوی دولت و خیرخواہ شخص سلطنت ہستند کمال اعتماد و التفات داشتہ در مقاصد حقہ آنہا ہمیشہ نہایت توجہ کردہ ایم، حالا ہم کہ شرح اظہارات شما را جناب اشرف اتابک اعظم عرض کرد، در صدد عریضہ او دستخطے صادر شدہ است کہ برائے شما خواہند فرستاد، باکمال امیدواری بشہر آمدہ بہ اتفاق جناب اشرف اتابک اعظم شرفیاب شوید، کہ حسن ظن و کمال رافت و عقیدت خودمان را مشافہتہً نیز بان جنابان ابراز و اظہار کنیم، و بانہا بیاسودگی، و امیدواری بدعائے دولت و مزید تائیدات و توفیقات ما اشتغال ورزید، شہر ذی القعدہ سنہ ۱۳۲۳ھ

ایضاً دستخط شاہ باتابک اعظم

جناب اشرف اتابک اعظم۔ چنانچہ مکرر این نیت خودمان را اظہار فرودہ ایم، ترتیب و تاسیس عدالتخانہ دولتی برائے اجرا احکام شرع مطاع و آسائش رعیت از ہر مقصود مہمے واجب تر است و این است بالصراحۃ مقرر میفرمائیم برائے اجرا این نیت مقدس قانون معدلت اسلامیہ کہ عبارت از تعیین حدود و اجرائے احکام شریعت مطہرہ است باید در تمام ممالک محروسہ ایران عاجلاً دائر شود۔ بروجہی کہ میان ہیچک از طبقات رعیت مطلقاً فرقے گذاشتہ نشود و در عدل و سیاسیات بطوریکہ در نظامنامہ این قانون اشارہ خواہیم کرد۔ ملاحظۂ اشخاص و طرفداریہا بے وجہ قطعاً جداً ممنوع باشد البتہ ہمین ترتیب کتابچہ نوشتہ مطابق قوانین شرع مطاع فصول آنرا مراتب بغرض برسانید تا در تمام ولایات دائر و ترتیبات مجلس آنہم بروجہ صحیح دادہ شود و البتہ این قبیل مستدعیات علماء اعلام کہ باعث مزید دعاگوئے ماست ہمہ وقت مقبول خواہد بود ہمین دستخط ما را ہم بعموم ولایات ابلاغ کنید"

شہر ذی القعدہ ۱۳۲۳ھ

مہاجرین کے مطالبات میں اہم شرطیں مونسیو نوز اور علاؤالدولہ کی معزولی کی تھیں، جنکا شاہ کے خطوں میں کوئی تذکرہ نہیں اسکی وجہ یہ ہے کہ اتابک اعظم نے مفاہمت کے سلسلہ میں جو عریضہ شاہ کی خدمت میں بھیجا تھا اسمیں بالقصد علماء مہاجرین کے ان مطالبات کو قلم انداز کر دیا تھا، اسلئے بادشاہ کے اس خط میں جو

جو مہاجرین اور اس فرمان میں جو آتابک اعظم کو بھیجا گیا، صرف قیام عدالتخانہ کا تذکرہ ہے۔

بہرحال بادشاہ کا یہ وعدہ نامہ پاکر مہاجرین نے شہر کا رخ کیا، اور طہران چلے آئے۔ عوام الناس اکابر شہر وزراء دولت بلکہ خود بادشاہ نے ان کا استقبال کیا۔ اب حالات بدلے، بیچینی رفع ہوئی، اور چند دنوں کے لئے شہر میں سکون کی حالت پیدا ہوگئی، تمام لوگ خصوصاً مہاجرین منتظر تھے کہ بادشاہ اپنا عہد پورا کریں گے لیکن یہ انتظار ختم نہوا، اور ایفائے عہد کی امید غلط ثابت ہوئی، بلکہ اس کے بالکل برعکس سختیاں شروع ہوگئیں شہر میں کثرت سے جاسوس اور مخبر متعین کئے گئے جو احرار کے متعلق ہر طرح کی خبریں اور انکی نقل و حرکت کی اطلاعیں وزراء و حکام کو پہنچاتے تھے، قزاق فوج کے دستے جابجا شہر میں مقرر کئے گئے تمام لوگوں کو سرشام سے صبح تک گھروں سے باہر نکلنے کی ممانعت کردیگئی، شہر کو فوجی قوانین کے ماتحت کردیا گیا، اور ان سب سے بڑھ کر یہ کہ جمعیت احرار کے بعض ارکان مثلاً مرزا حسن رشدیہ مرزا آقا اصفہانی اور مجدالاسلام کرمانی کو گرفتار اور شہر بدر کردیا گیا۔

انہی واقعات کے ساتھ ساتھ آخر ماہ فروری ۱۹۰۶ء میں محرم الحرام کا آغاز ہوا ایران کیلئے یہ مہینہ خاص طور پر اہم ہے جسمیں بکثرت مذہبی مجلسیں منعقد ہوتی ہیں احرار نے اس موقع کو غنیمت خیال کیا، اور محرم کی مجلسوں میں واقعات کربلا کے ساتھ ساتھ موجودہ ظالم حکومت کے واقعات ظلم و استبداد کو بیان کرنا شروع کیا۔ عین الدولہ نے ان حالات کا سختی سے مقابلہ کرنا چاہا چنانچہ خطیب الحریت جمال الدین اصفہانی کو طہران چھوڑ کر قم چلے جانے پر مجبور کیا، وہ چلے گئے، مگر اس سے کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ دوسرے اصحاب بدستور اپنے کاموں میں مشغول رہے۔

اب عین الدولہ نے شیخ محمد واعظ کو گرفتار کرنا چاہا، اس گرفتاری کے موقع پر احرار اور حکام فوج میں بڑی کشاکش پیدا ہوگئی، یہانتک کہ فوج کو گولیاں چلانا پڑیں، ایک گولی فقیہ سید حسین کو آ لگی، اور اسی مجمع کے روبرو اس پیکر حریت کی روح قفس عنصری سے پرواز کرگئی۔ اور احرار اور عوام نے اس لاشۂ بیجان کو اٹھالیا، اور شہر کی ہر گلی کوچہ کا چکر لگایا، آگے آگے لاش تھی، اسکے پیچھے پیچھے علماء، مجتہدین، فضلا اور عوام کا مجمع، گریہ وزاری ماتم و فغاں، اور سینہ کوبی کرتا جاتا تھا، پولیس نے پھر اس مجمع کو منتشر کردینا چاہا، اور اسکے لئے گولیاں چلانا پڑیں چنانچہ اس آتش فشانی میں ایک اور حریت پرست ملا سید عبدالحمید کی جان نذر استبداد ہوئی۔ اب عوام منتشر ہوگئے مجمع چھٹ گیا، بازار خالی ہوگئے، جسکو فوج نے پھیلکر پھر دبا لیا کبار رجال حریت نے مسجد جامع میں پناہ لی لیکن انکا وہاں محاصرہ کرلیا گیا، اور تین دن کے بعد اس شرط پر وہاں سے نکلنے کا موقع دیا گیا، کہ طہران میں نہ رہیں بلکہ سیدھے قم چلے جائیں۔ محصوروں نے

اس شرط کو قبول کیا، اور ایک مرتبہ پھر علمار مجتہدین، فقہا، تجار اور دوسرے شیدائیان حریت کا مجمع امادۂ ہجرت ہوا، اس واقعہ ہجرت کو تاریخ انقلاب ایران میں "ہجرت کبریٰ" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ شہر کی یہ حالت کہ تمام دکانیں بند تھیں، اور کئی روز مسلسل بند رہیں۔ عین الدولہ نے ان کے کھولنے کا حکم جاری کیا، اور یہ تہدید کی کہ اگر دکانیں نہ کھولی گئیں تو بہت جلد ان کے لوٹ لینے کا فوج کو حکم دیدیا جائیگا، یہ جون سنہ ۱۹۰۶ء کے واقعات ہیں۔

اب ایران دستوریت کا مطالبہ کرتا ہے

آخران واقعات نے ایرانی قوم کو دستوریت کے مطالبہ پر مجبور کر دیا اور اب اسکی تمام تر قوت دستوریت کے حصول کیطرف متوجہ ہوگئی، ہم یہاں ان واقعات کو بخوف طوالت اختصار ہی کے ساتھ لکھیں گے۔ اول اول حریت طلبوں کی ایک جماعت جو اکابر احرار اور با اثر تجار ایران کیطرف سے نائب بنا کر بھیجی گئی تھی لکھنؤ کے مقام پر وکیل انگلستان سے ملی، اور اس سے یہ دریافت کیا، کہ اگر ہم لوگوں کو حصول دستوریت کے سلسلہ میں کبھی امداد و حمایت کی ضرورت پڑی تو کیا ہماری امداد و حمایت کیجائیگی؟ وکالت نے اس کو قبول کیا، اور پناہ گزینوں کیلئے ہر طرح کی اعانت و امداد کا وعدہ کیا، اسطرف سے اطمینان کر کے احرار نے اپنا کام شروع کیا، اور آہستہ آہستہ انکی جماعت وکالت انگلستان کے زیر حمایت بڑھتی گئی، یہاں تک کہ صرف طہران کے برطانوی سفارتخانہ میں پندرہ ہزار حریت طلب جمع ہو گئے، ان سبھوں نے اپنی چھوٹی چھوٹی ٹولیاں بنالی تھیں ہر ٹولی کے خیمہ و خرگاہ علیحدہ تھے، انہوں نے اپنے جھنڈوں اور خیموں کے پردوں کو آیات احادیث اور اشعار سے مزین کر رکھا تھا، اس وقت ایرانیوں میں پھر انگریزوں کی طرف سے غایت شدید حسن ظن پیدا ہو گیا تھا، اور وہ انکو اپنا ناصر و حامی سمجھنے لگے تھے۔ اسی سلسلہ میں جمعیت احرار کے منتخب اشخاص انگریز اجزار سفارت سے مجلس (پارلیمنٹ) کی حقیقت، وہ کیونکر ترتیب دیجاتی ہے اس کے حقوق و فرائض کیا ہوتے ہیں؟ اور نائندوں کا انتخاب کیونکر عمل میں آتا ہے؟ یہ اور اسی قسم کے بہت سے معلومات حاصل کرتے رہتے تھے۔ اسوقت ایرانیوں نے علی العموم دستوریت کے مطالبہ کا اعلان کر دیا تھا، اور بہت کچھ رد و بدل اور مراسلت و مخابرت کے بعد بادشاہ کو بھی ناچار قوم کی آواز سننا پڑی، چنانچہ مظفر الدین شاہ نے ۵ اگست سنہ ۱۹۰۶ء کو دستوریت کی منظوری کا فرمان جاری کیا۔ اب برطانوی سفارتخانہ کے پناہ گزیں احرار میں سے چند اشخاص کے سوا تمام لوگ باہر نکل آئے اور جو علما و فقہا قم میں نظر بند کر دئے گئے تھے، وہ بھی طہران واپس آئے۔

سب سے پہلا کام زعمار اصلاح کیلئے یہ تھا کہ قانون انتخاب مرتب کیا جائے۔ چنانچہ اس غرض کے لیے ایک مجلس مرتب کیگئی جس نے چھتیس ۳۶ دن کے غور و فکر اور بحث و مباحثہ کے بعد قانون مرتب کیا۔ شاہ نے بھی اسکی تصدیق کی، اور پچاس ہزار نسخے اس قانون انتخاب کے چھپوا کر عوام الناس میں تقسیم کیے گئے۔ ۷ اکتوبر ۱۹۰۶ء کو انتخاب ختم ہوا۔

ایرانیوں میں اہالی تبریز سب سے زیادہ دستوریت کے حامی و خواہاں تھے، اور وہ اس زمانہ میں ایک ظالم حاکم یعنی ولیعہد کے زیر حکومت ظلم و استبداد کی کڑیاں جھیل رہے تھے؛ اس نے ان کو ہر طرح مجبور و مقہور کر رکھا تھا، وہاں جاسوسوں کی ہر طرف کثرت تھی اسلیئے ذرہ ذرہ سی بات کی خبر انکو ملجاتی تھی، اور وہ بے انتہا مظالم لوگوں پر کرتا تھا۔ ۱۸ دسمبر ۱۹۰۶ء میں (یعنی طہران میں اعلان دستوریت کے ایک مہینہ بعد) وہاں ایک سخت ہنگامہ ہوا جسمیں حریت طلب اشخاص نے برطانوی سفارتخانہ تبریز میں جاکر پناہ لی، وہاں سے سخت صدائے احتجاج بلند کی، ولیعہد کے خلاف اپنے جذبات کا علانیہ اظہار کیا، اور حکومت دستوری کا مطالبہ کیا، جب ان حالات کی خبر طہران پہنچی، تو یہاں سے باقاعدہ سفیر انگلستان کے توسط سے یہ اطلاع بھیجی گئی کہ شاہ ایران نے دستوری حکومت کا اعلان کر دیا ہے، اس کے بعد پناہ گزیں احرار سفارتخانہ برطانیہ سے نکلے اور انہوں نے فوراً ایک مجلس بنام جمعیۃ النظار مرتب کی تاکہ انتخاب کی باقاعدہ نگرانی کیجائے، ۲ نومبر ۱۹۰۶ء کو نائبوں کا انتخاب ہوا یہاں کے نمایندوں میں سید حسن بن تقی معروف بہ تقی زادہ بھی تھے جن کو تاریخ دستوریت ایران میں بلند مرتبہ حاصل ہے۔

مجلس (پارلیمنٹ) کا آغاز

آخر اب ایران کی تاریخ کا وہ مبارک دن آیا، جس کو ہم اسکا نوروز دستوریت کہہ سکتے ہیں۔ طہران میں پہلی مرتبہ جب مجلس کا اجتماع ہوا تو نمایندوں نے سب سے پہلے یہ کام کیا، کہ ان لوگوں کو اس عید مسرت میں شریک ہونیکے لئے طلب کیا، جو دستوریت کی ہواخواہی و حمایت کی پاداش میں جلاوطنی و قید کی مصیبتیں برداشت کر رہے تھے، چنانچہ سعد الدولہ یزد سے مرزا آقا اصفہان سے حاجی مرزا احسن رشدیہ اور مجد الاسلام قلعہ نادری سے بلوا کر شریک مسرت کئے گئے۔

مجلس کے سامنے سب سے پہلا اور ضروری کام یہ تھا کہ دستوریت کے قوانین اساسی مرتب کیے جائیں، چنانچہ وہ اسی کی طرف متوجہ ہوئی اور ساتھ ہی ملک کی مالی کمزوریوں کیوجہ سے ایک ملکی بنک کے قیام کی طرف بھی توجہ کی،

قانون اساسی دستوریت جب مرتب ہو چکا، تو ۱۹۰۶ء کے خاتمہ پر بادشاہ نے اسکی تصدیق کردی اور ولیعہد نے بھی اپنے دستخط ثبت کئے۔ بینک کے متعلق یہ طریق عمل اختیار کیا، کہ چھ ملیں (۶۰ لاکھ) تومان راس المال قرار دیکر اسکے دستاویزات شرکت و قرض اور پرامیسری نوٹ جاری کئے اس رقم کی فراہمی میں ایرانی قوم نے غیر معمولی جوش اور سرگرمی دکھائی، ہر طبقہ نے کثرت سے حصے اور دستاویزات خریدے غربا و فقرا تک نے اسمیں شرکت کی یہانتک کہ عورتوں نے اپنے زیورات، اور طلبا نے اپنی کتابیں بیچکر یہ رقم فراہم کرنے میں ملک کی مدد کی۔ صرف شہر طہران سے ایک ملیں (۱۰ لاکھ) تومان کی رقم جمع ہوئی اور اسیقدر رقم کی فراہمی کا وعدہ تبریز و آذربائیجان نے بھی کیا۔ ادھر ملک تو اس ایثار و قربانی میں مصروف تھا، ادھر استبداد پرست وزرار سلطنت اور شاہ نے اس بینک کی تصدیق و اجازت کیلئے یہ شرط لگائی، کہ اسمیں سے بیس لاکھ تومان کی رقم انکو بطور قرض دیجائے، ساتھ ہی روس و انگلستان نے بھی اس بینک کے قیام کی راہ میں علائق و موانع پیدا کرنا شروع کردئے اسلئے کہ اس قسم کے بینک کا وجود ایران میں انکی آیندہ کارروائیوں کا سدباب کردیتا، کیونکہ ان کو اب تک جو کچھ مواقع دستیاب ملے تھے، ان کا ذریعہ یہی قرض اور مالی معاملات تھے۔

محمد علی شاہ کیطرف سے دستوریت کی مخالفت

۴ جنوری ۱۹۰۷ء کو مظفر الدین شاہ نے انتقال کیا، اور ولیعہد محمد علی نے اسکی جگہ لی۔ محمد علی اپنی دماغی و اخلاقی حیثیتوں سے ایک پست درجہ شخص تھا وہ دستوریت کا شدید ترین دشمن و مخالف تھا۔ تبریز میں اس نے مخالفتوں کا نہایت ہولناک تماشا احرار کو بار بار دکھایا تھا، اب وہ بادشاہ ہوکر زیادہ آزاد، زیادہ قوی اور زیادہ وسیع الاختیار ہوگیا تھا۔ اس نے اپنے ابتدائی طرز عمل ہی سے دستوریت کی ناپسندیدگی کا اعلان کردیا، چنانچہ اس نے جشن تاجپوشی میں مجلس کے ارکان کو مدعو نہیں کیا۔ ارکان مجلس اسکے اس طرز عمل سے اسکے تیور پہچان گئے۔ لیکن اس سے زیادہ جس واقعہ کا مجلس پر ناگوار اثر پڑا وہ استبداد پرست وزرار سلطنت کے شرکت مجلس سے کناہ کش ہوجانیکا واقعہ تھا۔ اب یہ مسئلہ واضح ہوگیا، کہ بادشاہ، وزرائے اور خوشامد پرست طبقہ ایک طرف ہے اور مجلس اور احرار اصلاح طلب جماعت دوسری طرف۔ اسی زمانہ میں مجلس نے چند تجویزیں مرتب کیں، اور ان کی تصدیق کے لئے ان کو بادشاہ کیخدمت میں بھیجا اس تجویز نامہ کی دفعات یہ تھیں:-

۱۔ قانون اساسی کا ایک ضمیمہ مرتب کیا جائے۔

۲۔ ایران کی حکومت دستوری کا شاہی اعلان کیا جائے۔

۳ - موسیو نوز کو معزول کر دیا جائے۔

۴ - آیندہ غیر ملکیوں کو وزارت کا کوئی عہدہ تفویض نہ کیا جائے۔

اس تجویز نامہ کو محمد علی شاہ نے رکھ چھوڑا اور جواب میں تاخیر کی، بالآخر کافی انتظار کے بعد مجلس نے یاد دہانی کی اور پانچ روز کے اندر اندر اسکی تصدیق چاہی محمد علی شاہ نے اب اسکی تصدیق کر دی، موسیو نوز ۱۰ فروری سنہ ۱۹۰۷ء کو معزول کر دیا گیا، اور ایک جمعیۃ ضمیمہ قانون اساسی کی ترتیب کے لئے منتخب کیگئی، جس کے ارکان سعد الدولہ امین الضرب، سید نصر اللہ، سید تقی زادہ اور مستشار الدولہ تھے۔

مارچ سنہ ۱۹۰۷ء میں صدارت عظمیٰ کا منصب توڑ دیا گیا، اور جدا جدا وزارتیں مرتب کیگئیں۔ ایک عہدہ رئیس الوزرا کا قائم کیا گیا، جس پر سلطان علی خاں وزیر افخم کا انتخاب ہوا وزرار کے القاب و مناصب و فرائض حسب ذیل تھے۔

(۱) فرمانفرما (وزیر عدلیہ) (۲) علاؤ السلطنہ (وزیر خارجہ) (۳) نائب السلطنۃ (وزیر حربیہ)۔

(۴) ناصر الملک (وزیر مالیہ) (۵) مہندس الملک (وزیر امور نافعہ)

وزرار کے باہم حقوق و فرائض اور اختیارات الگ الگ کر دئے گئے اور ہر وزیر اپنے متعلقہ فرائض کا ذمہ دار و مسئول قرار پایا، قیام مجلس کے بعد ابتدائی دو مہینوں تک مجلس جن مسائل کی طرف متوجہ اور منہمک رہی انکی تفصیل یہ ہے :-

(۱) پوری مملکت ایران کی پیمائش (۲) ملکی بینک کا قیام (۳) میونسپلیٹیوں کا قیام و انتظام اور انکے قوانین کی ترتیب (۴) صوبہ کے مقامی مجلسوں اور حلقوں کے قیام اور ان کے قوانین کی ترتیب (۵) قانون مطبوعات (۶) صوبہ داروں اور دوسرے حاکموں کے فرائض و اختیارات کی تعیین و تحدید۔

اب ہم اس موقع پر مجلس کی مزید کارروائیوں کی تفصیلات کو چھوڑ کر تھوڑی دیر کے لئے ضروری حوادث کا تذکرہ کر دینا مناسب سمجھتے ہیں، تاکہ پڑھنے والوں کو آیندہ واقعات اور ایران کی مجلس کی شکست کے اسباب کو سمجھ لینے میں زیادہ غور و فکر اور پریشانی سے سابقہ نہو۔ حالت یہ تھی کہ ادھر ملک کے ہواخواہ مجلس میں ضروری اصلاحات کی طرف جلد جلد اور تیزی کے ساتھ قدم بڑھا رہے تھے، ادھر شاہ اور اس کے حامی و خوشامد پرست، امرار و حکام، اسکی بربادی و شکست کا انتظام کرنا چاہتے تھے۔ مارچ سنہ ۱۹۰۷ء تک اہم حوادث و مصائب میں قابل ذکر وہ حوادث ہیں جو فارس، عراق، اور اصفہان کے صوبہ داروں کے انکار و اختلاف دستوریت کے باعث پیدا ہوئے۔ ان لوگوں نے دستوری نظام کو توڑ دینے کی پیہم کوششیں کیں، اس کے قوانین و احکام کی علانیہ نافرمانی و سرتابی کی، اسی اثنا میں

چند شکم پرور ملاؤں اور روضہ خوانوں نے بھی نظام دستوری سے اختلاف کا اظہار کیا۔ مارچ کے آخری ہفتہ میں سب سے زیادہ حیرتناک جو واقعہ پیش آیا، وہ یہ تھا، کہ اہل تبریز نے دس ہزار روسی بندوقیں اور اس کے ضروری سروسامان گرفتار کئے۔ تحقیقات کے بعد معلوم ہوا کہ محمد علی شاہ نے یہ بندوقیں مخفی طور پر منگوائی ہیں، اور وہ دو چار ہی دن میں تبریز سے طہران جانیوالی تھیں۔ اس واقعہ نے مجلس کو آیندہ خطرات اور شاہ کے منصوبوں سے خبردار کر دیا۔ شاہ نے اپنے مقصد برآری کے لئے ایک دوسری تدبیر کی کہ امین السلطان سابق صدر اعظم کو جو اب تک ملک بدر تھا، طلب کیا، اور وہ شاہ کی طلب پر رشت آیا وہ جب رشت سے طہران کیلئے روانہ ہونے لگا تو وہاں کے لوگوں نے اس کے گذشتہ اعمال کی بنا پر اسکو روک دینا چاہا، لیکن مجلس نے شاہ کی مخالفت و معاندت کے خوف سے اس کے آنے کی اجازت دیدی جب وہ طہران آیا تو شاہ نے مجلس بلکہ ساری قوم کے جذبات کے خلاف اسکو وزارت کا رئیس مقرر کیا، اور اسکی ریاست وزارت کے لئے بے انتہا اصرار کیا، بلکہ کھلم کھلا دھمکیاں تک دیں ان تمام حالات کے ساتھ مئی کے آخر میں وہاں یہ مشہور ہوا، کہ شاہ، سردار رحیم خاں کے زیر قیادت دس ہزار لشکر تبریز بھیجنے والے ہیں، تاکہ وہاں کی دستوریت کا بزور شمشیر خاتمہ کر دے۔ جون میں کرمان شاہ، تبریز اور ماکو و خوے کے علاقوں میں سخت ہنگامے برپا ہوئے۔

غرض اسطرح ملک کے مختلف حصوں میں مخالفت اور بیچینی کی آندھیاں چل رہی تھیں، تاہم مجلس اور احرار اپنے کاموں میں منہمک تھے، اور وہ آہستہ آہستہ اپنے بعض مقاصد میں کامیاب بھی ہو گئے تھے، مثلاً موسیو نوز کی معزولی عمل میں آچکی تھی، صدر اعظم کا عہدہ ٹوٹ کر وزارت قائم ہوئی، متعدد صوبہ داروں کو معزول کرنے میں کامیابی حاصل ہوئی تھی، مثلاً آصف الدولہ کو خراسان کی صوبہ داری سے اور ظل السلطان، شاہ کے چچا کو اصفہان کی صوبہ داری سے، انہوں نے رحیم خاں اور شاہ کے بھائی سالار الدولہ کو گرفتار کر لیا تھا۔

جولائی ۱۹۰۷ء میں مجلس نے اپنی زندگی کا پہلا سال خاصی کامیابی کے ساتھ ختم کیا، ارکان مجلس نے ۲۵ جولائی کو اسکی سالگرہ کی بزم مسرت منعقد کی انتہائی جوش و خروش کے ساتھ ملک نے اس عید حریت میں حصہ لیا۔ اس موقع پر مجلس کیطرف سے جو جلسہ منعقد کیا گیا، اسمیں ایک لاکھ سے کچھ زیادہ ہی اشخاص شریک ہوئے مجلس میں پرزور تقریریں کی گئیں، نعرہائے مسرت بلند ہوئے، لیکن یہ کسقدر مخالفانہ طرز عمل تھا، کہ ملک کے اس عام مسرت میں شاہ نے کوئی حصہ نہ لیا، اور مجلس میں شرکت بھی نہ کی۔

اگست ۱۹۰۷ء میں روس کیطرف سے ایک مراسلہ مجلس کو موصول ہوا، جسمیں ایران کی بیچینیوں کا تذکرہ اور

یہ دھمکی تھی کہ اگر جلد سے جلد امن و امان قائم نہ کیا گیا تو ناچار امن عام کے خیال سے مداخلت کیجائیگی، اور روسی حکومت قیام امن کا مقدس فرض ادا کرنے پر مجبور ہوگی۔ مراسلہ مجلس میں پیش ہوا، لیکن باخبر ارکان مجلس نے اسکی طرف کچھ زیادہ توجہ نہ کی، اور ان الفاظ کے مفہوم و معنی کی کوئی پروا نہ کی، کیونکہ وہ اس مقدس فرض اور روسی حکومت کی تاریخ و سیاست سے واقف ہو چکے تھے۔

ماہ اگست کے خاتمہ تک دو نہایت اہم حادثے پیش آئے ایک امین السلطان کا قتل، دوسرا روسی و برطانوی معاہدۂ اتفاق۔ امین السلطان کی نسبت اتنا معلوم ہو چکا ہے کہ ایرانی اس سے عام طور پر ناراض تھے۔ محمد علی شاہ نے تمام ملک کے خلاف توقع اسکو رئیس الوزراء کا منصب عطا کیا تھا۔ اس نے اس مرتبہ بھی آتے ہی وہی پرانے روسی قرض اور ملک فروشی کا کام شروع کیا۔ وہ اپنی کوشش میں کامیابی سے بہت قریب ہو گیا تھا، اور روسی قرض حاصل کرنا ہی چاہتا تھا، کہ ۳۱ اگست ۱۹۰۷ء کو ایک فدائی کے ہاتھوں قتل ہوا، یہ قتل عباس آقا تبریزی کے ہاتھوں عمل میں آیا۔ عباس آقا نے ٹھیک اس وقت اس کو قتل کیا، جب وہ آقا سید عبداللہ کی معیت میں مجلس سے باہر آرہا تھا، عباس آقا نے اسکو ریوالور سے ہلاک کیا، اور ساتھ ہی اسی وقت اپنے کو بھی ہلاک کر لیا، عباس آقا کے کپڑوں کی دیکھ بھال کیگئی، تو اسمیں سے کاغذ کا ایک ٹکڑا نکلا، جس پر نمبر ۱۲ لکھا ہوا تھا، اور زہر کی کافی مقدار بھی برآمد ہوئی، عباس آقا کچھ پہلے سے اس قتل کی فکر میں تھا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ واقعۂ قتل سے چند روز پہلے وہ ایک فوٹو گرافر کے پاس گیا، اور اپنی تصویر کھچوا کر اس سے کہا کہ اسکو محفوظ رکھو، چند روز کے بعد بکثرت یہ تصویر تم سے مانگی جائیگی۔ اس قتل میں اس کا بھائی حسن آقا بھی معاون و شریک تھا۔ قتل کے بعد یہ طہران سے تبریز بھاگ گیا۔ لیکن یہاں بھی پناہ کی صورت جب نظر نہ آئی تو اس نے بھی اپنے آپ کو ہلاک کر ڈالا۔ (باقی)

ابوالحسنات ندوی

نوائے دلگیر

کوئے جاناں سے ہو کے آئے ہیں　　ہوش سب اپنے کھو کے آئے ہیں
تیری محفل میں جب گئے ہیں ہم　　رو کے آئے ہیں، سو کے آئے ہیں

اُس طرف اب نہ دیکھنا دلگیر
چشم بد دور، سو کے آئے ہیں

شاہ دلگیر

کلام آسی

(بہ سلسلۂ اشاعت گذشتہ)

زبان کا تر اور ترکیبوں کی لطافت یہ واقعہ ہے کہ اگر زبان میں ترنم نہ ہو، تو اچھے سے اچھا خیال پھیکا معلوم ہوگا۔ حقیقت یہ ہے کہ شعر بہت سی چیزوں سے ملکر شعر ہوتا ہے۔ ان میں سے ایک زبان کا ترنم ہے، یعنی ایسے متناسب الفاظ کا استعمال جس کے مجموعہ میں خود بخود موسیقیت پیدا ہو جائے۔ یہ بات ایک تو اس طرح پیدا ہوتی ہے کہ جو لفظ استعمال کیا جائے وہ قبل و بعد کے لفظوں پر بھاری یا ہلکے پن کے متناسب واقع ہو، یعنی اگر قبل و بعد کے الفاظ ہلکے ہوں تو یہ بھی ہلکا ہو، اور اگر وہ بھاری ہوں تو یہ بھی بھاری۔ غرضکہ ہر لفظ اگر دوسرے لفظ کے مناسب ہو تو خود بخود موسیقیت پیدا ہو جاتی ہے دوسرا طریق یہ ہے کہ دلکش و لطیف تراکیب سے زبان میں دلاویزی پیدا کی جائے۔ فارسی اور اردو کی یہ بڑی خصوصیت ہے کہ وسیع تر مفہوم و خیال کو اضافت الفاظ کے ذریعہ سے کمال اختصار اور دلکشی و دلاویزی کے ساتھ ادا کیا جا سکتا ہے، مگر اس میں بھی اس امر کا لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ ثقیل اور بھدی یا بہت زیادہ طویل ترکیبوں کا استعمال نہ کیا جائے۔ بلکہ شعرائے لکھنؤ نے تو بالکل ترک کر دیا تھا یا زیادہ سے زیادہ صرف لفظوں تک محدود کر دیا تھا مثلاً دیدۂ تر، دل نار اور زخم جگر وغیرہ۔ مگر اساتذۂ دہلی نے شروع سے اس کو اختیار کر لیا تھا اور آخر میں غالب و مومن نے ان ہی ترکیبی الفاظ کے ذریعہ سے معنی آفرینی کو معراج کمال تک پہونچا دیا اور مومن خاں کے سلسلہ کے لوگ اب تک کمال خوبی کے ساتھ اس خصوصیت کو قائم رکھے ہوئے ہیں اور عام طور پر عہد حاضر کے شعرا اُن دونوں اساتذہ کی تقلید کو باعث فخر خیال کرتے ہیں۔

بہر حال اِن ترکیبوں سے اس کے علاوہ کہ کلام کی خوبی میں اضافہ ہوتا ہے، زبان میں بھی وسعت ہوتی ہے اور ادائے مفہوم کے نئے نئے اسلوب پیدا ہوتے ہیں۔

حضرۃ آسی کے کلام میں دونوں باتیں موجود ہیں اور کمال خوبی کے ساتھ وہ وسیع ترین مفہوم کو مختصر ترکیب میں ادا کر دیتے ہیں اور اکثر یہی ترکیبیں اُن کے کلام کی رنگینی و شگفتگی میں اضافہ کر دیتی ہیں اور شعر کا حسن دوبالا ہو جاتا ہے، ملاحظہ فرمائیے۔

ہائے وہ جلوہ وہ انداز ہجوم اہلِ دید — ایک موسیٰ زار گویا دل کے ہر روزن میں تھا

"موسیٰ زار" کی ترکیب نے شعر میں کس قدر کیف پیدا کر دیا ہے اور ترکیب کے اندر جو وسعت اور لطافتیں نہاں ہیں وہ شائد چند سطروں میں بھی نہیں ادا ہو سکتیں۔

شایانِ درگذر ہے اگر اضطراب میں — جرم دراز دستیِ ذوقِ دعا ہوا
رہ گذارِ صد امید و یاس تھا ہر چاک دل — داغِ غم وہ دل میں تھا یا نقشِ پائے جادہ تھا

دوسرے مصرعہ کی ترکیب ملاحظہ فرمائیے کہ ایک سادہ خیال میں کتنی رنگینی پیدا ہو گئی ہے۔

واہ واحسن مذاق تلخ کامِ عشق واہ — لذت افزا، زار نالی، راحت افزا اضطراب
اگر قبول کرو جلوۂ بے محابانہ — دکھاؤں محشر ہنگامۂ تمنا کو

پہلے شعر کی ترکیب میں گو ایک قسم کی ثقالت ہے مگر بھی ایک لطف پایا جاتا ہے۔

لب بہ لب ہے آج تجھ سے تیرے مستانے کی خاک — خوب پہچان او بت مینوش پیمانے کی خاک
اک ذرا دامن اُٹھا لے اے نگارِ شمع رو — شعلہ زارِ سوزِ غم ہے تیرے پروانے کی خاک
گردشِ صد جامِ وحشت ایک اک ذرہ میں ہے — بزمِ صہبائے جنوں ہے تیرے دیوانے کی خاک
اے کہ گوئی تابشِ ہر ذرہ از تابِ خود است — مطلعِ نورِ خدا ہے ہر صنم خانے کی خاک
ایک اک ذرہ ہے فردِ دفترِ صد سوزِ غم — داستانِ سنجِ دلِ عاشق ہے پروانے کی خاک
تا سحر وہ بھی نہ چھوڑی تو نے او بادِ صبا — یادگارِ رونقِ محفل تھی پروانے کی خاک

یہ تمام اشعار زبان کے ترنم اور ترکیبوں کے دلاویزی و لطافت کی بے مثل مثالیں ہیں۔ لیکن اس کے علاوہ ان شعروں کے مضامین کی شگفتگی و تازگی، جذبات کی پاکیزگی، انداز بیاں کی صفائی و روانی بھی غور طلب ہے جو آسی کے کلام کی عام خصوصیت ہے۔

انداز بیان کی جدت انداز بیاں کی جدت یہ ایک ایسی خوبی ہے جو کلام کی دلکشی میں لازمی طور سے اضافہ کر دیتی ہے اور سادہ سے سادہ مضمون میں ایک شان دلپذیری پیدا ہو جاتی ہے۔

آسی مرحوم کا کلام انداز بیاں کی جدت اور طرزِ ادا کی خوبیوں سے مالا مال ہے مثلاً:-

تو نے دعوائے خدائی نہ کیا خوب کیا — اے صنم ہم ترے دیدار کو ترسا کرتے
دل بیمار سے دعویٰ ہے مسیحائی کا — چشمِ بیمار کو اپنے نہیں اچھا کرتے

پہلے شعر کے انداز بیان کی خوبی ملاحظہ فرمائیے کہ بظاہر تو شاعر کا مقصود یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ جلوہ دیدار کا اس قدر تمنائی ہے کہ اپنے محبوب کا خدا ہو جانا بھی گوارا نہیں کرتا کیونکہ اس صورت میں وہ اس کے دیدار سے محروم ہو جائیگا لیکن طرزِ ادا کی یہ خوبی ہے کہ نادانستہ اور بے قصدی کے طور پر حسن یار کے کمال و تکمیل کی صفت بھی لطیف کنایہ موجود ہے یعنی یہ کہ حسن یار اس قدر مکمل ہے کہ دعوائے خدائی کا بھی امکان موجود تھا۔

داغِ دل، دلبر نہیں سینہ سے پھر لپٹا ہوں کیوں　　میں دلِ دشمن نہیں پھر یوں جلا جاتا ہوں کیوں
رات اتنا کہہ کے پھر عاشق ترا غش کر گیا　　جب وہی آتے نہیں میں ہوش میں آتا ہوں کیوں

اسی انداز کو دوسرے انداز میں کہتے ہیں:—

جھوٹ کیوں کہتا ہے قاصد کہ وہ آتے نہیں　　وہ اگر آتے نہیں ہم ہوش میں آتے ہیں کیوں

دیکھئے انداز بیان کی خوبیاں آپ کو سب شعروں میں ملینگی۔ بیہوشی سے ہوش میں آنے کو محبوب کی آمد پر محمول کر دینے سے شعر میں ایک خاص لطف پیدا ہو گیا ہے۔

ڈھونڈھتے پھرتے ہیں کھوئے ہوئے دل کو اپنے　　ہم نے جس دن سے سنا گھر ہے تمہارا دل میں
نہ تڑپ اسقدر اے عاشقِ مضطر نہ تڑپ　　دھیاں اس کا نہ کہیں ہو تہ و بالا دل میں
وہ کہتے ہیں میں زندگانی ہوں تیری　　یہ سچ ہے تو اس کا بھروسہ نہیں ہے
کمی نہ جوشِ جنوں میں نہ پاؤں میں طاقت　　کوئی نہیں جو اٹھا لائے گھر میں صحرا کو

گو یہ سب شعر انداز بیان کے خوبی کی بہترین مثال کے طور پر نہیں پیش کئے جا سکتے، مگر اس میں شک نہیں کہ طرزِ ادا کی خوبی سے بالکل قطع نظر بھی آپ نہیں کر سکتے اور ہر ایک شعر میں جدت بیان کی دلکشی کسی نہ کسی حد تک موجود ہے۔

خیال آفرینی اور مبالغہ وغیرہ | اس عنوان کے علیحدہ قائم کرنے کی چنداں ضرورت نہ تھی کیونکہ فی الحقیقت دیگر عنوانات کے ماتحت بکثرت ایسے شعر درج کئے جا چکے ہیں جو اس عنوان کے ماتحت آ سکتے تھے، مگر ہم یہاں پر بھی شعر مثالاً درج کرتے ہیں

ہمارے خانۂ دل کو اگر کیا برباد　　کہیں جگہ نہ ملے گی تری تمنا کو
یہ بیہوشی کہاں کی اے شبِ غم صورتِ موسیٰ　　مگر کیفِ مئے دیدار ہے دردِ جدائی میں
وسعت ہے ذوقِ ہستی بلبل کیواسطے　　لبریز رنگِ بادہ سے ہے چار سوئے گل

سمجھو ہمارے عشق کی حد اپنے حسن سے　　آئینہ دار حالتِ بلبل ہے روئے گل
جز عشق کس میں قوۃ ادراکِ نازِ حسن　　بلبل کے اشکِ غم سے بڑھی آبروئے گل

ان شعروں سے معنی آفرینی کی شان ہویدا ہے۔ گو بلند معیار نہ ہو۔
مشرقی شاعری کا ایک جزو مبالغہ بھی ہے اور کسی حد تک جائز بھی رکھا گیا ہے۔

اسی خط سے سمجھ لو کیسی ظلمت ہے جدائی میں　　سوادِ دردِ فرقت ہے، جو حل ہے روشنائی میں
بندھا ہے جس میں کچھ مضمون اپنی ناتوانی کا　　بہ مشکل قافیہ اس شعر کا پہلو بدلتا ہے

پہلے شعر میں ایک قسم کی کیفیت پائی جاتی ہے، مگر دوسرا شعر تو بالکل لکھنؤ کی انداز کا ہے، جس میں مطلق کوئی کیف نہیں۔

استعارہ　میخانہ میں وہ آئے جو ترے فنا کے گھاٹ　　شمشیرِ موجِ بادہ بہت آبدار ہے
یار تک پہونچا تو میں لیکن فنا ہونے کے بعد　　جادۂ راہِ طلب تھا یا دمِ شمشیر تھا

استعارات و تشبیہات کی خوبیاں آسی کے کلام میں کم پائی جاتی ہیں مگر بالکل مفقود نہیں ہیں

روانی و صفائی　کلامِ آسی اس حیثیت سے بہت ممتاز ہے کہ اس میں روانی و صفائی خاص طور سے پائی جاتی ہے اور یہ ایسی صفت ہے جو آسی کے یہاں عام ہے۔ بہت کم شعر آسی کے یہاں آپ کو ملیں گے جن میں ثقالت و افسردگی پائی جاتی ہو اور یہ ایک ایسی صفت ہے جو شعر کی دلکشی اور دل پذیری و شگفتگی میں بے پناہ اضافہ کر دیتی ہے ملاحظہ فرمایئے:

اے پیرِ مغاں خون کی بو ساغر مے میں　　توڑا جسے ساقی نے وہ پیمانۂ دل تھا
ذوقِ غم و اندوہِ محبت کے میں صدقے　　جو داغ دیا تم نے وہ جانانۂ دل تھا
اسرار ترے معدنِ انوار تھے جس میں　　کعبے میں بھی دور رہے میخانۂ دل تھا
ہر موجِ نفس سینے میں اک قلزمِ خوں ہے　　کیا میرے تصور میں کچھ افسانۂ دل تھا
آسی نے بجز تیرے جہاں کچھ بھی نہ دیکھا　　وہ عالم ہو گوشۂ ویرانۂ دل تھا
ہاں پھر اے وعظ مشفق مری تقصیر معاف　　دھیان دور رہے گلرنگ و مزامیر میں تھا
دنیا میں اٹھا لاتی ہے فردوس بریں کو　　بدمستی صہبا و مزامیر ہماری

آخری دو شعر علاوہ روانی و صفائی کا عمدہ نمونہ ہونے کے شوخی کی بہترین مثال ہیں۔

تجنیس لفظی | صنائع اور بدائع کی طویل، بے مزہ فہرست میں تجنیس لفظی کی طلسم بندی بھی شامل ہے یعنی کئی ایک لفظ کو لے کر اس کے ہم معنی یا ہم صورت دوسرے لفظ کے وہی معنی فرض کر کے بالکل برعکس ایک الیسا خیال پیدا کر لینا، جسکی کوئی واقعیت نہ ہو مگر عاشق بھولے بھالے دل کی طفل تسلی کا سامان بہم پہونچاتا ہو۔ مگر یہ ضروری نہیں کہ سامان تسلی بھی اس کے اندر ہو بلکہ صحیح تعریف اس کی شائد "مغالطہ دہی" کے لفظ سے ہو سکے۔

شعرائے دہلی اس خبط میں کبھی نہیں پڑے، البتہ لکھنؤ کے مذاق کی یہ خاص چیز تھی، چنانچہ اساتذہ لکھنؤ کے یہاں آپ کو اس قسم کی بے کیف صنعت گری ضرور ملیگی۔

آسی بھی، کبھی کبھی اپنی جولانی طبع دکھلا جاتے ہیں اور شائد قدرت کلام کے اظہار کے طور پر چند شعر مذکورہ بالا قسم کے بھی لکھدیئے ہیں، ملاحظہ فرمایئے۔

نہ چاہے گا بھلا کوئی بھی مرنا اپنے دشمن کا — بہت خوش ہوں جو سنتا ہوں کہ تم پر غیر مرتے ہیں
دل دہی غیر کی اور آپ یہ سہو ہے کہ غلط — آپ معشوق ہیں کیا جانیں بھلا دل دینا
عدو کو بھی ہماری طرح وہ بیدل کریں یارب — خدا ناکردہ کیوں فرق آئے اُن کی دلربائی میں
بھلا یار دلسوز ملتا ہے کس کو — جلایا دل اس نے تو شکوہ نہیں ہے

ان چار شعروں میں الفاظ کی ہم جنسیت سے کیسا گورکھ دھندا طیار کیا گیا ہے۔

لکھنویت | اگرچہ حضرۃ آسی کا کلام تمام تر اساس سلیم المذاقی پر مبنی ہے، جو اساتذۂ دہلی کی تنہا میراث ہے اور اُن کا عام رنگ تغزل دہلی کے رنگ میں ڈوبا ہوا ہے، جو وجدان صحیح کے لئے سرمایہ کیف و سرور ہے مگر یہ بے انصافی ہوگی اگر ہم آسی کے ان اشعار کا انتخاب نہ پیش کریں جو انھوں نے لکھنؤ کے رنگ میں کہے ہیں، لیکن ہمارا خیال ہے کہ کلام آسی میں جو لکھنویت کی جھلک کہیں کہیں نظر آجاتی ہے وہ اُن کا اصلی رنگ نہیں ہے اور نہ اُن کا پاکیزہ مذاق شعر لکھنؤ کے اس بے مزہ، بار تصنع اور رعایات لفظی کے بے کیف الجھنوں کا متحمل ہو سکتا ہے چنانچہ اس کا ثبوت یہ ہے کہ سارے دیوان میں مشکل سے تیس بتیس شعر آپ ایسے تلاش کر سکیں گے جن پر لکھنویت کا اطلاق ہو سکے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کبھی کبھی تفنن طبع کے طور پر ایک آدھ شعر کہہ جایا کرتے تھے، جس کی غرض غالباً اس کے سوا کچھ نہ ہوگی کہ آسی کی طبع رسا اس راستہ پر بھی بہ آسانی چل سکتی ہے۔ اب ذرا چند شعر سن لیجئے۔

وعدہ کی شب بھیج دیتے ہیں تصویر مانگ کا — جب اُنھیں آنا نہیں تو راہ دکھلاتے ہیں کیوں

میرے مینوش نے اک روز کلی مُنہ سے پھینکی تھی
حبابِ بحر جام بادہ بن بن کر اُبھرتے ہیں

عداوت ہے سیہ چشموں کو ہم سے بعد مردن بھی
لحد پر جو اُگا سبزہ ہرن آ آ کے چرتے ہیں

غمِ دنداں میں اشکِ ابرِ نیساں ہیں مری آنکھیں
دُرِ نایاب بن جاتا ہے جو آنسو نکلتا ہے

ان آنکھوں کی قسم کچھ گرمیِ دل کم نہیں ہوتی
خیالِ جنبشِ مژگاں اگر پنکھا بھی جھلتا ہے

مرے آنسو بھی پونچھے یار نے دھانی ڈوپٹے سے
ہوا سرسبز آخر اشکِ بے تاثیر کا دانہ

بال زلفوں کے ہیں عشاق سیہ بخت نہیں
جب نہ تب سامنے سے اُن کو ہٹاتے کیوں ہو

مفت ملتا ہے جو پھیرو گے تو پچھتاؤ گے
ایک بوسے سے زیادہ نہیں قیمت دل کی

حقیقت یہ ہے کہ آسی کے دامنِ سخن سنجی پر یہ ایک بدنما دھبہ ہے اور مذاقِ سلیم ایک لمحہ کے لئے اس انداز سخن طرازی کو گوارا نہیں کرتا، لیکن اس رنگ کے جو چند شعر دیوان آسی میں پائے جاتے ہیں۔ وہ آسی کے اصل رنگ کو اور بھی نمایاں کر کے دکھاتے ہیں جس طرح چاند جب تاریک بادلوں کا پردہ چاک کر کے نکلتا ہے تو اس کی دلکشی اور بھی بڑھ جاتی ہے۔

خلاصہ | اب ہم دیوان آسی سے کچھ تھوڑا سا کلام درج کر کے اس مضمون کو (جو امید سے زیادہ طویل ہو گیا ہے مگر کیا کیجئے کہ لطیف بود حکایت دراز تر گفتم) ختم کرنا چاہتے ہیں، مگر اس سے قبل یہ کہدینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ کلام آسی، کمزوریوں اور فروگذاشتوں سے پاک نہیں ہے، حروف علت کا سقوط وہ عام طور پر جائز رکھتے ہیں، بعض ایسی تشبیہیں بھی اُن کے یہاں موجود ہیں جن کی صحت میں کلام ہے۔ حشو اور بے ضرورت الفاظ کا بھی استعمال کر جاتے ہیں۔ جو صرف شعر پورا کرنے کے لئے ہوتے ہیں۔ بعض جگہ ترکیبیں بھی نہایت ثقیل اور بے مزہ پائی جاتی ہیں اور کبھی کبھی غلط محاورہ بھی استعمال کر جاتے ہیں، تعقید و ایطا کی بھی مثالیں موجود ہیں اور ایک دو جگہ مضمون کی بے ربطی و ناہمواری بھی چشمک زنی کر رہی ہے اور وہ باتیں جن کو حضرات لکھنؤ عام طور پر معیوب سمجھتے ہیں بالخصوص خاندان ناسخ جن باتوں پر قلم نسخ کھینچ کر منسوخ قرار دے چکا ہے۔ آسی اساتذہ دہلی بالخصوص حکیم مومن کی طرح ان کی کچھ پروا نہیں کرتے۔ متروکات کے استعمال پر بھی جری معلوم ہوتے ہیں مگر اس معاملہ میں مذاقِ سلیم کو قرار دے کر ایسی جرأت کرتے ہیں، جیسا کہ عہد حاضر میں اور بھی سخن سنج حضرات مثلاً مولانا حسرت موہانی۔

لیکن اس قسم کی فروگذاشتیں برائے نام پائی جاتی ہیں اور باوجود ان کوتاہیوں کے مجموعی حیثیت سے آسی کا دیوان سدا بہار پھولوں کا ایک ایسا گلدستہ ہے، جسکی عطر بیزی مشام جان کو معطر کرتی ہے واقعہ یہ ہے کہ دیوان

آسی کے اندر روح ادب کی کیف پروری کا اس قدر ساماں موجود ہے کہ جو چند فروگذاشتیں پائی جاتی ہیں اُن پر نظر ہی نہیں پڑتی۔

ذیل میں ہم دیوان آسی میں سے ایسا انتخاب درج کرتے ہیں جس سے اُن کے عام مذاق سخن سنجی کا اچھی طرح اندازہ ہو جائیگا:۔

کچھ کہوں، کہنا جو میرا کیجئے
چاہنے والوں کو چاہا کیجئے

کس کو دیکھا اُن کی صورت دیکھ کر
جی میں آتا ہے کہ سجدہ کیجئے

فتنے سب برپا کئے ہیں حسن نے
میری الفت کو نہ رسوا کیجئے

ہو مسلم وسعت ذوق نظر
قطرے میں جب سیر دریا کیجئے

دیکھتے کعبہ ابرو کو تو سجدہ کرتے
پاتے اس مصحف عارض کو تو چوما کرتے

عالم اک آئینہ خانہ ہے ترے جلوے کا
ہم جدھر دیکھتے آخر تجھے دیکھا کرتے

دل ملا ہم کو ازل میں تو کسی نے نہ کہا
روگ ہے یہ اسے چھاتی سے لگاتے کیوں ہو

بھونک دو نخل دل زار کو جڑ روگ کی ہے
شجر وادیِ ایمن کو جلاتے کیوں ہو

بدمست پڑا ہے محتسب بھی
اے موسم گل ترا بھلا ہو

تدبیر خدنگِ جلوہ کیا ہے
دل تھامے ہوئے پڑے کھڑا ہو

راہ وہ چلئے کہ غیر جذب کامل سد نہ ہو
نقش پا تک گم ہو میل راہ بھی رہبر نہ ہو

ہونٹھ سوکھے اور آنکھیں تر ہیں چہرہ زرد ہے
تہمت عشق اس بڑھاپے میں کہیں مجھ پر نہ ہو

وہ طریق پیر میخانہ سے ہے بہکا ہوا
جادۂ راہِ فنا جس کو خط ساغر نہ ہو

کیجئے پیدا لطافت ہے اگر شوق عروج
طائر جاں اڑنے میں محتاج بال و پر نہ ہو

آنسو آنکھوں میں بھر آئے سن کے آسی کا کلام
درد ہو دل میں تو باتوں میں اثر کیوں کر نہ ہو

ہے عشق وہ شعلہ[1] کہ بھڑکا جاتا ہے تن من
اس آگ کو بھڑکا کے خود ہی میری جلا دو

موسیٰ کی طرح گر پڑے غش کھا کے خدائی
برقع رخ روشن سے ذرا سا جو ہٹا دو

سوتا ہے آسی غفلت میں غافل ابھی آسی
اپنے قدم پاک کی ٹھوکر سے جگا دو

[1] یہ تینوں شعر مقطع کے ہیں

نہیں ممکن ہے لٹیروں سے حفاظت دل کی
کعبہ ہو ابروؤں کا اور محبت کی نماز

وہ اور جداہم سے یہ تقدیر ہماری
شاگرد ہے کس کا فلک پیر ستم میں

دنیا میں اُٹھالاتی ہے فردوس بریں کو
آنکھیں پائی ہیں غم فرقت میں رونے کے لئے

قطرہ ہائے اشک حسرت کو نہ لاحاصل کہو
قافلہ منزل کو جا پہونچا مگر مثل غبار

صبحدم دم توڑتی تھی اور یہ کہتی تھی شمع
رنج و غم کے واسطے اسباب کی حاجت نہیں

سارے عالم میں تیری خوشبو ہے
نظم عالم کہ لاجواب لئے

ایک دم میں ہزار دفتر طے
تجھکو دیکھے پھر آپ میں رہ جائے

وصل ہے پر دل میں ابتک ذوق غم پیچیدہ ہے
بے حجابی یہ کہ ہر صورت میں جلوہ آشکار

دل کی وہ وسعت کہ نقطے سے بھی کم سات آسماں
فتنہ زار حشر سب سمجھے ہیں میدان کو

دیجئے کس چیز سے تشبیہ تیرے حسن کو
دم بخود رہے وہ کیوں رسوا ہو مجھکو چھیڑ کر

اتنے بت خانوں میں سجدے ایک کعبہ کی عوض
حشر میں منہ پھیر کر کہنا کسی کا ہائے ہائے

دیکھئے حوریں دکھائی جاتی ہیں

پھیر آؤں انھیں چل کر میں امانت دل کی
اقتدا عاشق بے دل کی امامت دل کی

کچھ اُن کی خطا اس میں نہ تقصیر ہماری
گردش میں تو اُستاد ہے تقدیر ہماری

بدمستی صہبا ہے مزا میر ہماری
آستینیں ہاتھ آئی ہیں بھگونے کے لئے

مزرع امید میں دانے ہیں بونے کے لئے
رہ گئے ہیں ایک ہم برباد ہونے کے لئے

ہائے اس محفل میں ہم آئے ہیں رونے کے لئے
آنکھ کب درکار ہے شبنم کو رونے کے لئے

اے مرے رشک گل کہاں تو ہے
فرد اس میں وہ بیت ابرو ہے

چشم حسرت غضب سخنگو ہے
دل پر اتنا کسی کو قابو ہے

بلبلا ہے عبث دریا میں مگر نم دیدہ ہے
گھونگھٹ اس پردہ کہ صورت آجتک نادیدہ ہے

جسم یہ لاغر خط وہمی ہے جو کاہیدہ ہے
دامن ناز نگہ کا گوشۂ چیدہ ہے

ایک تو ہی دیدہ ہے تیرے سوا نادیدہ ہے
غیر دریا بلبلے میں اور کیا پوشیدہ ہے

کفر تو اسلام سے بڑھ کر ترا گرویدہ ہے
آسی گستاخ کا ہر جرم نا بخشیدہ ہے

امتحان عاشق بیتاب ہے

میری آنکھیں اور دیدار آپ کا　　یا قیامت آگئی یا خواب ہے
دلِ عاشق میں قلق حد سے سوا ہوتا ہے　　ذکرِ محبوب بھی اندوہ فزا ہوتا ہے
حُسن کی چارہ گری کا ہے بڑا شور مگر　　دردِ الفت کہیں محتاج دوا ہوتا ہے
دلربائی تری ہر بار نرالی نکلی　　واہ رے حُسن کہ ہر جلوہ نیا ہوتا ہے
دل جو تھا خاص گھر اس کا نہ بنایا افسوس　　مسجد و دیر بنایا کر دکیا ہوتا ہے
زخمِ دل ہم دکھا نہیں سکتے　　دل کسی کا دکھا نہیں سکتے
ہاں وہ صورت دکھا نہیں سکتے　　کیا صدا بھی سُنا نہیں سکتے
لذت اک گو نہ چاہیے مجھ کو　　کیا وہ دل بھی دُکھا نہیں سکتے
اُن کو گھونگٹ اُٹھانے میں کیا عذر　　ہوش میں ہم جو آ نہیں سکتے
مانگتے موت کی دعا لیکن　　ہاتھ دل سے اُٹھا نہیں سکتے
میرے سرِ شوریدہ کو محروم نہ رکھنا　　سُنتا ہوں کہ چوکھٹ تری ماوائے جہاں ہے
پھر مزاج اس رند کا کیونکر ملے　　جس کو اسکے ہاتھ سے ساغر ملے
یہ بھی ملنا ہے کہ بعد از صد تلاش　　حدِ وہم و فہم سے باہر ملے
میری آنکھیں اور اس کی خاکِ پا　　تیرے کوچہ کا اگر رہبر ملے
کعبہ، بتخانہ، کلیسا، صومعہ　　پھرتے ہیں در در کہ تیرا در ملے
ملنے سے پہلے فنا ہونا ضرور　　پھر فنا جو ہو گیا کیونکر ملے
آسی گریاں ملا محبوب سے　　گل سے شبنم جس طرح رو کر ملے
بعد مردن ہو تو ہو اے پند گو یہ تجربہ　　عشق بازوں کا سکوں اچھا کہ اچھا اضطراب
غمزے ہیں جس میں حُسن کے عشق ہے اس نگار کا　　چوٹ ہے جس میں عشق کی حُسن ہے میرے یار کا
لاکھ گلے لگائیں وہ رنگ نہیں ہے ڈار کا　　موجۂ بوئے گل ہوں میں اُنکے گلے کے ہار کا

اوپر جو انتخاب دیا گیا ہے اس میں کوشش کیگئی ہے کہ ہر رنگ کا کلام کچھ کچھ قارئین نگار کے نظروں سے گذر جائے دیوان آسی میں چند خمسے اور رباعیاں بھی ہیں، رباعیاں معمولی درجہ کی ہیں، اور خمسے بھی ایسے ہی ہیں

نقوشِ مانی

ہے بحث تو یہ کہ دل حریفِ بلائے الفت ہے یا نہیں ہے
نہ یہ کہ الفت مری قضا ہے، تمہاری تیغ ادا نہیں ہے

کبھی نہ بولونگا، یہ تو میرے سکوت کا مدعا نہیں ہے
تری شبستاں نما ہے، کیا کہوں کہ روزِ جزا نہیں ہے

عبث بلا اپنے سر پہ لیتے ہو پا بزنجیر کر کے مجھ کو
ارے نکل جاؤنگا کہیں میں کہ ننگ ملکِ خدا نہیں ہے

گدا کو دم بھر میں یا الٰہی تو بخش دیتا ہے تاج شاہی
مجھے دو مدعا عطا کر، ترے خزانہ میں کیا نہیں ہے

نہیں، نہ سمجھو کہ میں بھی ہوں ان تمہاری فریادیوں میں شامل
مگر کہاں جاؤں مجمعِ حشر سے کہیں راستہ نہیں ہے

اجل تو تھی ہی، مگر تفاوت ہے وصل و فرقت کی جاں دہی میں
تم آگئے بس یہی تمنا تھی، اب کوئی مدعا نہیں ہے

نہیں ہو تم ملتفت ابھی اس لئے ہے دعوائے پاکبازی
وفا جسے کہ رہا ہے مانی، فریب ہے یہ وفا نہیں ہے

کلام شاد عظیم آبادی

دل اپنی طلب میں صادق تھا گھبرا کے سوئے مطلوب گیا
دریا سے یہ موتی نکلا تھا، دریا ہی جا کر ڈوب گیا

پیری میں جوانی کا قصہ، کس منہ سے کہوں شرم آتی ہے
وہ جوش گیا، وہ آن گئی، انداز گیا، اسلوب گیا

بے راحلہ و بے زادِ سفر، رحمت پہ بھروسہ کر کے فقط
دنیا کی سرا سے جو اٹھ کر اس طرح گیا وہ خوب گیا

طاقت جو نہیں اب حیرت سے تصویر کا عالم رہتا ہے
وہ آخر شب کی آہ گئی، وہ نعرۂ یا محبوب گیا

کوچے میں ترے اب شاد نہیں، اللہ نے کر دی پاک زمیں
صد شکر سرائے فانی سے آخر وہ سگِ معیوب گیا

جذباتِ خالد

سکوتِ نبض کا، ہاں، انتظار باقی ہے
نہ کھینچو تیر ابھی جانِ زار باقی ہے

بلاکشانِ محبت کی پوچھتے کیا ہو
ہنوز ذوقِ رسن، شوقِ دار باقی ہے

سرِ لحد یہ قیامت کی دی صدا کس نے
اٹھو اٹھو ستمِ روزگار باقی ہے

کسی کے ظلم کا یہ معجزہ ہے یا رد و داد
مٹے ہوؤں کا نشانِ مزار باقی ہے

نہ سو، خالد ابھی، ہے صدائے عالمِ غیب
کہ صبر صبر شبِ انتظار باقی ہے

حرکت کے کرشمے

عام جمادات، حیوانات و اجتماعیات میں

(۲)

حرکت دوری کا عموم | اگلے بیان سے واضح ہو چکا ہے کہ ہر جسم متحرک کم از کم دو مختلف قوتوں کے زیر اثر متحرک ہوتا ہے اس لئے ضروری ہے کہ اس کی حرکت، دوری ہو، عام اس سے کہ یہ دوری حرکت دائرے میں ہو یا رقاص کیطرح صعود و ہبوط کے طریقے پر

اگر دوری حرکت چہ باقاعدہ قوتوں کا اثر ہوتا ہے تو حرکت بھی باقاعدہ اور ایک نظام کے ماتحت ہوتی ہے ورنہ بے قاعدہ اور غیر نظامی۔

اجرام سماوی اپنے مدارات پر باقاعدہ اور ایک نظام کی تحت میں حرکت کرتے ہیں اور اجرام سماوی کی دوری حرکتیں زمین پر تمام دوری حرکات کا سبب ہوتی ہیں۔ فصول اربعہ کی نگر از زمین کی حرکت دوری کا نتیجہ ہے، جو نور و حرارت کے انفعال اور جاذبیت کے باہمی تبادلہ سے پیدا ہوتی ہے۔

سمندر کا پانی حرارت شمسی سے معین اوقات میں بخارات بنکر مرتفع ہوتا ہے، پھر پانی بنکر مخصوص موسم میں نیچے گرتا ہے اور زمین پر بہتا ہوا سمندر میں چلا جاتا ہے۔

ہوائیں عام طور پر قطبین سے خط استوا کی طرف اور ہوا کے بلند طبقات میں خط استوا سے قطبین کی طرف چلتی ہیں، یہ بھی ایک دوری حرکت ہے جو عام حرکت دوری سے پیدا ہوتی ہے۔

سطح زمین کے نباتی اور حیوانی مظاہر حیات، یہ بھی دوری حرکتیں ہیں جو تولد، نمو، توالد اور موت سے ظاہر ہوتی ہیں۔

عالم حیوان کی تمام حرکات، دورۂ خون، ضربات قلب، حرکات تنفس، حرکات عصبی وغیرہ تمام حرکات دوری ہیں۔

یہی حال عالم نباتات کا ہے۔ موالید ثلثہ کے علاوہ سیاسی اور اقتصادی حرکات جو اجتماع بشری میں ہوتی رہتی ہیں یہ بھی دوری حرکات ہیں، جن کا نتیجہ انقلابات حکومت، تغیرات قوانین و احکام اور تجارتی منڈیوں کے اترنے اور چڑھنے کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے

میکانیکی حرکات بھی حرکات دوری کے اصول پر منطبق ہیں، میکانک آلات کی تمام حرکتیں دوری ہوتی ہیں۔ قوت برقی جو اکثر میکانک آلات کو حرکت دیتی ہے اس کی رو بھی حرکت دوری ہے

گذشتہ تمام مثالوں سے واضح ہوگیا ہوگا کہ جس قدر حرکات ہمارے احاطۂ احساس میں واقع ہوئی ہیں وہ سب دَوری ہیں۔

حرارت اور نور کا ذریعہ قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آفتاب جو زمین سے ۹ کروڑ میل سے زیادہ دور ہے کس واسطے ہم تک حرارت پہونچاتا ہے۔ یعنی ہمارے اور آفتاب کے درمیان وہ کونسی چیز ہے جو حرارت کو ہم تک پہونچا دیتی ہے، چونکہ حرارت میں ایک قسم کی حرکت ہے جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں اس لئے ضروری ہے کہ ہمارے اور آفتاب کے درمیان ایک واسطہ ہونا چاہئے جو آفتاب کی حرارت کو زمین تک پہونچائے۔

فضائے عالم میں حرارت و نور کے انتقال کے لئے علماء نے ایک ایسے مادہ کو تسلیم کر لیا ہے جو ہوا سے صدہا درجہ لطیف ہے اس مادہ کو اثیر یا ایتھر کہتے ہیں تمام اجزا فلکی ایتھر میں ڈوبے ہوئے ہیں یہی مادہ لطیفہ حرارت اور نور پہونچانے کا ذریعہ ہے چونکہ علی الاطلاق کائنات میں صرف دوری حرکات ہوتی ہیں اس لئے یہ واسطہ بھی دوری حرکت کرتا ہوا روشنی اور نور کو منتقل کرتا ہے، ایتھر کی حرکتِ دوری، امواج کی شکل میں ہوتی ہے، چونکہ نور حرارت سے بہت زیادہ سریع حرکت کرتا ہے (یعنی ایک سکنڈ میں ۱۸۶۰۰۰ میل) اس لئے امواج نور کی رفتار حرارت سے زیادہ سریع ہوتی ہے اور وہ ہم تک پہلے پہونچتی ہے

فضائے عالم میں ایتھر کا فرض کرنا علماء کا ایک نظریہ ہے جس پر اُس وقت تک عمل رہیگا جب تک کوئی دوسرا نظریہ اس کے خلاف ثابت نہ ہو۔

لیکن اس سے زیادہ تعجب خیز بات یہ ہے کہ ایتھر کی امواج زمین تک صرف روشنی اور حرارت ہی کو نہیں پہونچاتیں" بلکہ تمام ارضی حرکات و انقلابات پر بھی ان کا زبردست اثر پڑتا ہے اور نور و حرارت سے مختلف قسم کی حرکتیں پیدا ہوتی ہیں۔ اس کی تفصیل یہ ہے :-

ایتھر کی موجیں، زمین کے ذرہ ذرہ سے آکر ٹکراتی ہیں اور اس میں مختلف کیفیات پیدا کرتی ہیں، بعض عناصر کو بعض سے ملاتی ہیں اور بعض کو آپس میں تحلیل کرتی ہیں۔ بعض مادی مرکبات میں خاص قسم کی قوت پیدا کرتی ہیں اور بعض سے قوت کو سلب کر لیتی ہیں اور ان اثرات کی ہمہ گیری یہانتک ہے کہ کائنات کا کوئی ذرہ اس سے خالی نہیں ہے تمام عالم ارضی اس کی وجہ سے ایک دائمی حرکت میں ہے۔ جس کی کیفیت کے ادراک تک عقول بشری نہیں پہونچ سکتیں، ذیل میں ہم ان متوجات کی حتی الامکان تفصیل پیش کرتے ہیں۔

حرکت دوری کا انتقال ہوا میں اس بحث کے سمجھنے کے لئے ہم امواج ہوا اور اس کی تاثیرات کا ذکر کرتے ہیں،

جو خاص خاص اجسام پر ہوتی ہیں۔ لہذا ہم کو پہلے تار کے اہتزازات کو سمجھنا چاہیئے۔ تار کا قاعدہ ہے کہ اسکی آواز کی بلندی اور پستی تار کے اہتزازات کی نسبت سے ہوتی ہے، یعنی ایک سکنڈ میں جس قدر سرعت سے تار میں اہتزازات ہوتے ہیں اسی قدر آواز بلند ہوتی ہے اور اہتزازات کی سرعت تار کے طول اور اس کی دبازت اور تناؤ پر موقوف ہے، چنانچہ ستار کے تاروں سے یہ تمام باتیں بخوبی سمجھ میں آسکتی ہیں۔

ماہرینِ اصوات نے ہر نغمہ کے اہتزازات کو شمار کر لیا ہے اور وہ بتا سکتے ہیں کہ ایک نغمہ کو دوسرے نغمہ کے ساتھ باعتبار اعداد کے کون سی نسبت ہے، لندن کی مجلسِ موسیقی نے اہتزازات کا قیاس کرنے کے لئے ایک خاص معدنی کانٹے کو معیار مقرر کیا ہے اور اسی کی نسبت سے تمام نغمات کی نسبت معلوم کرتے ہیں۔

موسیقی کے بولوں کی باہمی نسبت اور فی ثانیہ ان کی تعداد ذیل کے جدول سے معلوم ہوگی۔

بولوں کے نام =	سا	رے	گا	ما	پا	دھا	نی	سا
اہتزازات فی ثانیہ =	۲۶۴	۲۹۷	۳۳۰	۳۵۲	۳۹۶	۴۴۰	۴۹۵	۵۲۸
سب سے کم درجہ کی نسبت =	۲۴	۲۷	۳۰	۳۲	۳۶	۴۰	۴۵	۴۸
نسبت کسری =	۱	$\frac{9}{8}$	$\frac{5}{4}$	$\frac{4}{3}$	$\frac{3}{2}$	$\frac{5}{3}$	$\frac{15}{8}$	۲

اس جدول کے دیکھنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ اگر تم ہر نغمہ کے اہتزازات کو ۱۱ پر تقسیم کرو گے تو دوسری سطر کے ہندسے حاصل ہونگے اور اگر سا اول اور سا ثانی کی نسبت کو دیکھو گے تو معلوم ہوگا کہ ثانی سا کے اہتزازات اول سے دوچند ہیں اور تیسری سطر سے سب سے کم درجہ کی وہ باہمی نسبت معلوم ہوگی جب کہ سا اول کو ایک فرض کیا جائے۔

محاکاتِ موسیقی اہتزازات کی باہمی نسبتوں کے ذہن نشین کرنے کے بعد ہم یہ بھی بخوبی سمجھ سکتے ہیں کہ اگر ستار کے ایک تار کو حرکت دی جائے اور باقی تار ساکن چھوڑ دئے جائیں تو ان میں کیونکر جوابی نغمات پیدا ہوتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ تار کے اہتزاز سے ہوا میں موج پیدا ہوتی ہے اور ایک تار میں جس قدر اہتزازات پیدا ہوں گے اسی قدر ہوا میں موجیں پیدا ہونگی، مثلاً جس تار میں ۲۶۴ اہتزاز ہوتے ہیں وہ ہوا میں ۲۶۴ موجیں پیدا کریگا اور اہتزازات میں جس تناسب سے اختلاف ہوگا وہی تناسب امواج میں بھی محفوظ رہے گا۔ اگر تم تار پر ضرب دو تو اس کی موجیں تمام تاروں سے متصادم ہونگی اور وہی اہتزازات اور آواز پیدا کرینگے اور جس قدر شدت سے تار پر ضرب لگائی جائیگی، اسی قدر دوسرے تاروں کے اہتزازات اور نغمات آسانی سے محسوس ہو سکیں گے۔

الحاصل ایک تار اپنے اہتزازات اور امواج کا اثر دوسرے تار میں پیدا کر سکتا ہے اور اس انتقال اہتزازات

میں انہراز کے اعداد اور اُن کی نسبت باہمی محفوظ رہتی ہے۔ یہ انتقال کیا چیز ہے؟ یہ دوری حرکت کا انتقال ہے جو بذریعہ ہوا ایک تار سے دوسرے تار میں منتقل ہوتا ہے۔

قانونِ محاکات کا عموم | جب مذکورۂ بالا بیان سے واضح ہو گیا کہ ہر جسم جو دوری حرکت کرتا ہے وہ دوسرے جسم میں بھی ویسی ہی حرکت پیدا کر دے سکتا ہے، تو ظاہر ہے کہ ایک گھڑی کا رقاص دوسری گھڑی کے رقاص کو حرکت دے سکتا ہے، بشرطیکہ وہ ہوائی موج جو حرکت رقاص سے پیدا ہوتی ہے، ساکن رقاص کو بھی متحرک کر سکتی، مگر وہ اتنی شدید نہیں ہے جس سے یہ نتیجہ پیدا ہو سکتا، مگر کم از کم یہ ضرور ہوتا ہے کہ جب دو رقاص قریب قریب ایک دوسرے کے مخالف حرکت کر رہے ہوں تو ہوائی موج دونوں کی حرکت کو موافق کر سکتی ہے، چنانچہ امتحان کرنے سے یہ حقیقت واضح ہو سکتی ہے۔

محاکاتِ حرکت جو امواجِ ہوائی کے ذریعہ سے ایک جسم سے دوسرے جسم میں منتقل ہوتی ہے، اس کا انتقال بھی امواجِ ایتھر ہی کے ذریعہ سے ہوتا ہے۔ جس طرح امواجِ ہوائی، حرکت دوری ایک جسم سے دوسرے جسم میں منتقل کرتی ہے اسی طرح امواجِ ایتھر روشنی اور حرارت کو ایک جسم سے دوسرے میں لے جاتی ہیں، البتہ تمام اجسام میں یہ قابلیت نہیں ہے کہ وہ مساوی طریقہ سے نور و حرارت کو قبول کریں، اس لئے اگر ایک جسم ایتھر کی امواجِ نور حرارت سے متاثر ہوتا ہے، تو اس کے قریب والا جسم اگر قبولِ نور یا حرارت کی قابلیت رکھتا ہے، نور روشنی و حرارت، امواجِ ایتھر کے واسطہ سے اُس دوسرے جسم میں بھی منتقل ہو جاتی ہے۔

بچّہ

بعض تصریحات : ماں کا خزانہ، گھر کا مستبد حکمراں، صبح کا مُناد، دوپہر کا سیاح اور آدھی رات کی غوغائی ہے۔

انسانیت کی تازہ ترین اشاعت، جس سے بہتر والدین کی نگاہ میں اور کوئی اشاعت نہیں ہو سکتی۔ ہر ملک کا باشندہ، مگر زبان کہیں کی نہیں جانتا۔

غوں غاں، چیخ پکار اور قلقاریوں کا ایک بالشت مجموعہ۔

دودھ پر گھنے کا آلہ۔ ننھا سا اجنبی جس کے پاس دلوں کی بہترین محبت حاصل کر لینے کا پاس ہے

(ماخوذ)　　سید ہادی علی خاں

اسلام میں سلطنت کا مفہوم

(بہ سلسلہ اشاعت گزشتہ)

زمانہ راشدہ کے خلفاء کے لئے "بہترین قریش" کا لقب کافی سمجھا جاتا تھا، حضرت ابوبکرؓ تو یہ خطاب بھی قبول کرنے پر رضامند نہیں ہوئے تھے، لیکن بنو عباس نے اپنے آپ کو ایسے خطابات سے یاد کئے جانے کی اجازت دیدی تھی، جس کا اسوقت تک صرف پیغمبر صلعم کی ذات پاک پر اطلاق ہوتا تھا، یعنی "اشرف المخلوقات"

خلفائے بنو عباس کو ناز تھا کہ خدا تعالیٰ نے اُن کو حکمرانی کے لئے پیدا کیا ہے، آٹھویں صدی ہجری تک مصر کا نقلی خلیفہ جسکو مملوک نے تخت پر بٹھا رکھا تھا دستاویزات میں "نائب اللہ فی ارضہ" لکھا جاتا تھا سلطنت اسلامیہ کی توسیع کے ساتھ مرکزی دارالحکومت (بغداد) سے دور کے صوبوں پر حکمرانی کرنے کی مشکلات میں بھی اضافہ ہوتا گیا اور وہ مذہبی جوش جس نے یکجہتی پیدا کر کے قبائل عرب کو متحد بنا دیا تھا، کم ہونے لگا اور جوں جوں اجنبی لوگ زیادہ تعداد میں حلقۂ اسلام میں داخل ہوتے گئے، خلافت کی وہ قومی عربی حیثیت معدوم ہوگئی غیر اقوام کے ورود سے جن کی عادات و روایات تباین تھیں، آپس میں رشک و حسد کی آگ مشتعل ہوگئی اور مشرق میں ایرانی اور مغرب میں بربری اقوام کے لوگ جو حکومت خلافت کی طرف سے بیزار رہے، مطلق العنان خاندانوں کی بنیاد ڈالنے میں کامیاب ہوگئے۔

اب تک عربوں کی طاقت کا انحصار صرف اُن کے قومی احساس پر تھا، لیکن جب اُنکی وہ اصلی طاقت اور روحانیت جاتی رہی اور خلیفہ ایسے اُجرتی لوگوں کی امداد کا طالب ہوا، جن کو بجز اپنے ذاتی مفاد کے اور کچھ مدنظر نہ تھا۔ اور جن کو مطلق اس بات کی پرواہ تھی کہ وہ کس جانب سے لڑ رہے ہیں تو سخت اور عضائے شاہی کی وہ شان بھی جاتی رہی۔ مرکزی حکومت کی کمزوری، سلطنت کی وسعت، جس کا پورا انتظام نہ ہوسکتا تھا اور عرب مسلمانوں کے اندر قومی احساس کے ترقی پا جانے سے خلافت گھٹ کر عشر عشیر رہ گئی تھی، جن صوبوں نے خلافت کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر خود مختار حکومتیں قائم کر لیں اُن میں سے خاص خاص یہ ہیں

نام خاندان	نام صوبہ	مدت خاندان	نام بانی
طاہری	خراسان	۲۰۵ھ تا ۲۵۹ھ	طاہر ابن الحسن
صفاری	فارس	۲۵۴ھ تا ۲۹۰ھ	یعقوب ابن لیث

سامانی	ماوراء النہر	۲۶۱ھ تا ۲۸۹ھ	نصر ابن احمد
ساجی	آذربائیجان	۲۶۶ھ تا ۳۱۸ھ	ابو الساج
زیاری		۳۱۶ھ تا ۴۳۴ھ	مرداویج بن زیار

ترکوں کی باجگذار ریاستیں

طولونیہ	مصر	۲۵۴ھ تا ۲۹۲ھ	احمد ابن طولون
الک خانیہ	ترکستان	۳۲۰ھ تا ۵۶۰ھ	عبد الکریم
آخشیدیہ	مصر	۳۲۳ھ تا ۳۵۸ھ	محمد الاخشید
غزنویہ	افغانستان وہندوستان	۳۵۱ھ تا ۵۸۲ھ	الپتگین

ہر چند خلافت کے اخیر سالوں میں خلیفہ کے پاس اس کے وسیع اختیارات شاہی میں سے بجز اس کے اور کچھ باقی نہ رہا تھا کہ سکوں پر اس کا نام کندہ ہوتا تھا اور منبر پر اس کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا تھا "آلسکۃ والخطبۃ" ایک مقولہ بن گیا تھا اور مضحکہ خیز رسمیات اور بے معنی شان وشوکت ظاہر کرنیکے لئے لوگوں کا تکیہ کلام ہوگیا تھا۔

ہلاکو خاں کی بغداد پر چڑھائی کرنے کا قصہ جامع التواریخ رشید الدین میں حسب ذیل درج ہے:۔

بغداد کو روانہ ہونے سے قبل ہلاکو نے بڑے بڑے امراء اعیان سلطنت سے مشورہ کیا۔ ہر ایک نے اپنے علم وفہم کے مطابق رائے دی۔ بالآخر ہلاکو خاں نے حسام الدین نجومی سے کوئی ایک ساعت مقرر کرنے کے لئے استدعا کی۔ منجم مذکور نے جس کا دربار میں حوصلہ بڑھا ہوا تھا یونہی معمولی طور پر جواب دیدیا کہ ایسی مہم جس سے خلیفہ کے خاندان پر حملہ کرنا اور بغداد پر چڑھائی کرنا مقصود ہے کبھی سعد نہیں ہو سکتی اس نے کہا حقیقتاً جس بادشاہ نے بغداد اور بنی عباس پر چڑھائی کی ہے اس کا نہ تخت قائم رہا ہے اور نہ وہ خود زندہ رہا ہے، اس نے یہ بھی کہا کہ اگر بادشاہ سلامت میرے مشورہ پر عمل نہ کرینگے اور بدستور اپنے ارادہ میں مصر رہیں گے تو اس صورت میں چند سخت مصیبتوں کا سامنا ہوگا یعنی (۱) تمام گھوڑے مرجائیں گے اور سپاہ سخت امراض میں مبتلا ہوجائیگی۔ (۲) آفتاب طلوع نہ ہوگا (۳) بارش نہ ہوگی (۴) تیز آندھیاں چلینگی (۵) زمینوں پر درخت اُگنے بند ہوجائیں گے اور (۶) بادشاہ سال کے اندر ہی اندر مرجائیگا برخلاف اسکے بخشیوں یعنی ملاؤں نے کہا کہ بغداد پر یورش کرنا بالکل ناجائز ہے، زاں بعد ہلاکو نے نصیر الدین طوسی کو طلب کیا اور اس کی رائے دریافت کی، نصیر الدین پر خوف طاری ہوگیا اور اس نے اس خیال سے کہ یہ اس کی وفاداری کا امتحان ہے جواب

دیا "جن آفات و مصائب کی پیشگوئی کیگئی ہے اُن میں سے کوئی بھی واقع نہ ہوگی، مزید برآں اس نے یہ بھی کہا "بادشاہ خلیفہ کے مجلس میں مسند آرا ہونگے، بعازاں پھر حسام الدین کو بلایا گیا تاکہ وہ خواجہ نصیر الدین سے آکر اس معاملہ میں بحث کرے، تب خواجہ نے یہ کہا کہ "مسلمانوں کا ان روایات کے بارہ میں اتفاق ہے کہ پیغمبر صلعم کے کئی اصحاب کبار اپنے مذہب کی حمایت میں جان بحق ہوئے تاہم کوئی آفت یا مصیبت نازل نہ ہوئی، اگر یہ کہا جاتا ہے کہ خلیفہ کو خاص استحقاق حاصل ہے تو اس بارہ میں میرا یہ جواب ہے کہ ظاہر بہ تعمیل حکم خلیفہ مامون خراسان سے روانہ ہوا اور اس کے بھائی امین کو قتل کر ڈالا، خلیفہ متوکل کو امرار کے مشورہ سے خود اس کے بیٹے نے مار ڈالا اسی طرح خلیفہ مستنصر اور معتز کو امرار اور غلاموں نے قتل کیا اور کئی خلیفہ اسی طرح قتل کیے گئے اور کسی طرح کی ابتری یا بدامنی واقع نہیں ہوئی" اس سے کوئی شبہہ باقی نہیں رہتا کہ خلیفہ کو لوگ کس عزت اور ادب کی نظر سے دیکھتے تھے اور ان پر اس کا کیسا رعب غالب تھا۔

اب ہم ان نظریات پر غور کرتے ہیں۔ جو اسلامی فقہاء نے قائم کیے ہیں۔ فقہ اسلام میں ہم کو قانون روما کا پتہ چلتا ہے اسی طرح ان کے تخیلات میں فلسفۂ یونان اور علم سیاست کی ایسی علامات پائی جاتی ہیں کہ نہیں مغالطہ کا احتمال نہیں ہو سکتا۔ اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ بنی عباس کے عہد میں فلسفہ یونان کا مطالعہ عربی تراجم کے ذریعہ سے کیا جاتا تھا اور یونانی تصانیف سے یا کم از کم اُن میں بعض سے اہل عرب کافی طور پر آشنا تھے پروفیسر Dieterici کی کوششوں کا نتیجہ آج ہمارے پاس الفارابی کی اس کتاب کی صورت میں موجود ہے جس میں اس نے اصلی ریاست کا نہایت اعلیٰ خاکہ کھینچا ہے اور یہ کتاب کم و بیش فلاطون کی کتاب موسومہ "جمہوریت" کی تقلید میں لکھی گئی ہے، یہ امر کہ الفارابی کو یونانی اصلی تصانیف کے مطالعہ کا موقع ملا، مشتبہ ہے، لیکن یہ بات کافی طور پر پایہ ثبوت کو پہونچگئی ہے کہ اس نے ایک ایک نصرانی علامہ ابو البشر کی وساطت سے ارسطو اور فلاطون کی تصانیف کا ضرور کچھ علم حاصل کیا ہوگا۔ علامہ مذکور نے جن تصانیف ارسطو کا عربی زبان میں ترجمہ کیا ہے وہ آج بھی پائی جاتی ہیں لیکن ان مصنفین میں جنھوں نے علم سیاست پر خامہ فرسائی کی ہے ماوردی ابن حزم ابن جامع، ابن خلدون اور ابن طباطبا قابل ذکر ہیں، شاید ان میں سب سے مشہور ماوردی ہے جسکی تصنیف احکام السلطانیہ بیس ابواب پر منقسم ہے اور اس کا مطبوعہ نسخہ اب بھی دستیاب ہو سکتا ہے۔ اس نے کئی سال تک بغداد اور بصرہ میں علم فقہ پر لکچر دئے۔ اس کے سامنے کئی شہروں کا عہدۂ قضاۃ پیش کیا گیا لیکن اس نے انکار کر دیا۔

ابن جامع بہت بعد کا مصنف ہے یہ ۶۴۹ھ مطابق ۱۲۳۸ء میں پیدا ہوا اور ۷۷۳ھ مطابق ۱۳۷۱ء میں انتقال کر گیا۔

اور موردی تمام قوموں کو دو جماعتوں میں تقسیم کرتا ہے، پہلے درجہ میں وہ لوگ شامل ہیں جن کو اختیارات انتخابی حاصل ہے اور دوسرے درجہ میں وہ لوگ ہیں جو دعویدار سلطنت تھے، موردی محض قیاسات سے اس موضوع پر بحث کرتا ہے وہ اس امر کو ملحوظ نہیں رکھتا کہ اس زمانہ کی سیاسی حالت کیا تھی وہ خلافت کو انتخابی سلطنت سمجھتا ہے اور انتخاب کنندگان اور دعویداران خلافت کیلئے جو ضروری قابلیتیں ہونی چاہئیں انکی تشریح کرتا ہے۔ وان کریمر لکھتے ہیں، ماوردی نے دو شرطیں حذف کردی ہیں جن کو زمانۂ مابعد کے فقہاء نے بڑھایا ہے یعنی سن بلوغ اور مرد ہونا۔

موردی بادشاہ و رعایا کے باہمی رشتہ کو بطور رشتۂ عقد تصور کرتا ہے یعنی بالفاظ دیگر وہ بادشاہ کی ذات پر خاص خاص فرائض عائد کرتا ہے جس سے وہ رعایا کے عہد متابعت اور فرمانبرداری کا مستحق خیال کیا جائے فلاسفہ کا زمانۂ قدیم ہی سے مسئلہ آغاز قانون و حکومت کے متعلق اختلاف رہا ہے۔

فقہائے عرب انتخاب کے ساتھ ایک اور طریقۂ سلطنت کو بھی تسلیم کرتے تھے یعنی یہ کہ جب ایک فرمانروا کسی کو اپنا جانشین نامزد کر دیتا تھا تو وہ اسے بھی مانتے تھے۔ یہ خیال خلفائے اولین کی تاریخی نظائر پر مبنی تھا مزید برآں یہ بات بھی مسلم تھی کہ حکمراں خلیفہ دو باتیں جانشین نامزد کر سکتا تھا جو یکے بعد دیگرے تخت پر متمکن ہوتے تھے، اس طرح پر ہارون نے اپنے تین بیٹوں کو اپنا جانشین نامزد کیا تھا۔

ہم کو اس امر پر زور دینے کی ضرورت نہیں ہے کہ ان دونوں طریق جانشینی میں ظاہر ا بہت اختلاف تھا سردار قبیلہ کا جب تقرر ہوتا تھا تو بذریعہ انتخاب کیا جاتا تھا۔ عرب کے اس قدیم رواج انتخاب کی وجہ سے جانشین خلافت یا سلطنت کے تقرر میں بھی یہی طریقۂ انتخاب عمل میں آئے گا۔ وصیت کے ذریعہ سے جانشینی کی مثالیں خلفائے اولین بنی امیہ و بنی عباس میں ملتی ہیں، لیکن حکمراں بادشاہ اپنا جانشین مقرر کر بھی دیتا تھا تو بھی جمہور سے اس کے توثیق کی ضرورت ہوتی تھی اور خلیفہ اپنے بیٹے یا کسی رشتہ دار کو اپنا جانشین مقرر کر دیتا تھا تو وہ بیعت لینے کے مسئلہ کو کبھی نظر انداز نہ کر سکتا تھا۔

فقہائے متاخرین ہم کو بتاتے ہیں کہ سلطنت کے حاصل کرنیکا ایک تیسرا طریقہ تھا یعنی انتخاب بذریعہ قوت (البیعۃ القاھریہ) یعنی جب بادشاہی پھیل جاتی تھی یا جب کوئی ایسا بادشاہ حکمراں نہ ہوتا تھا جو جمہور کی مرضی

جائز طور پر مقرر کیا گیا ہو تو کوئی دیرپا رٹی کا لیڈر جبراً تخت پر قابض ہو بیٹھتا تھا اور اہل فوج بلا کسی انتخاب اور لوگوں کی بیعت اور بلا کسی وصیت نامہ کے جماعت اسلامیہ سے اس امر کی استدعا کرتے تھے کہ اسکی اطاعت کریں تاکہ بدامنی اور خانہ جنگی نہ ہونے پائے۔

فقہ اسلام نے اپنی آخری منزل میں زیادہ طاقتور آدمی کے حق کیلئے غیر مشروط منظوری دیدی تھی بس یہ تھے وہ تین طریقے جو ایک دوسرے سے بالکل مخالف تھے، لیکن فقہائے اسلام کے قول کے بموجب ان ہی تین طریقوں سے سلطنت حاصل کی جاتی تھی۔ اب ہم اندرین باب ابن حزم کا قول درج کرتے ہیں۔ وہ لکھتا ہے کہ

"اہل السنت والجماعت، مرجیہ، شیعہ و خوارج جملہ فرقے امام کی ضرورت پر متفق ہیں اور قوم کی جانب سے اس کی متابعت ضروری سمجھتے ہیں، سوائے فرقہ نجدیہ کے جو امام کی ضرورت سے منکر تھا اس کا یہ اعتقاد تھا کہ لوگوں کو آپس میں انصاف کا برتاؤ کرنا چاہیئے۔

جوں جوں جماعت ہائے سیاسیہ بتدریج بنتی گئیں، اسی قدر سیاسات کے اہم مسائل پر اختلاف آرا بڑھتا گیا، منجملہ اُن کے سب سے پہلا اور مقدم مسئلہ انتخاب اور جانشینی کا مسئلہ تھا۔ اُس جماعت کے لوگ جو معاملات کو ان کی حالت پر چھوڑ دیتے تھے ہمیشہ کثیر تعداد میں ہوتے تھے اور یہ گروہ اہل سنت والجماعت کے نام سے موسوم تھا یہ ہمیشہ اُن واقعات کو جو پایہ تکمیل کو پہونچ جاتے تھے، تسلیم کرنے کیلئے طیار رہتے تھے اور اسی خلیفہ کو جائز طور پر منتخب شدہ تسلیم کرتے تھے جو دارالخلافت کے نہایت بارسوخ اشخاص کے ذریعہ منتخب کیا جاتا تھا، برخلاف اسکے ایک گروہ اہل تشیع کا تھا جو صرف حضرت علی کی اولاد کو خلافت کا مستحق سمجھتا تھا، پھر خوارج کا گروہ میدان میں آیا۔

یہ لوگ جمہوری خیالات کے مظہر تھے اور نہایت متضاد عقائد کے حامی۔ انکا یہ اعتقاد تھا کہ ہر ایک مسلمان بشرطیکہ وہ پرہیزگار اور خداترس ہو، جماعت اسلامی کا خلیفہ منتخب ہو سکتا ہے اور خوارج کا جو سب سے ممتاز گروہ تھا وہ اس بات کا مدعی تھا کہ خلیفہ یا بادشاہ کی ضرورت ہی نہیں۔ اور بجز انتہا پسندوں کے اور فرقوں کا یہ اعتقاد تھا کہ ایسے معاملات میں بہترین سند اجماع امت کی ہے، لیکن فقہ حال میں صاحب اختیار شاہی سے مراد وہ شخص یا جماعت اشخاص ہے جسکو قانوناً طاقت تفویض کیگئی ہو یعنی جو شخص بطور حق عام قواعد کی تشریح کرنے اور احکام شاہی نافذ کرنے کی طاقت رکھتا ہو۔

اس نقطۂ نظر سے جانچا جائے تو اسلامی بادشاہت بیشک ناقص تھی، کیونکہ بادشاہ کو فقہ اسلام میں دست اندازی کرنے یا اس کے اندر تغیر و تبدل کرنے کا کوئی حق یا اختیار نہ ہوتا تھا۔ اور نہ فقہاء اسلام بادشاہت کا وہ

وسیع مفہوم سمجھتے تھے، جیسا یورپ کے لوگ سمجھتے ہیں۔

مذہب اور سیاست کا اتحاد گو حیات قومی کی ابتدائی منزلوں میں فائدہ رساں ہوتا ہے تاہم جوں جوں قومی مطمح نظر وسعت پاتا جاتا ہے، جادہ ترقی میں موانع پیدا ہوتے ہیں اور سوسائٹی میں جمود کا مادہ سرایت کر جاتا ہے، زمانہ حاضرہ کے ارباب تخیل میں سب سے بڑا شخص Walter Bagehot ہے اس نے نہایت عمدہ طریقہ سے صورت حال کو واضح کر دیا ہے۔ یہاں اس کا اقتباس بے محل نہ ہوگا۔ وہ لکھتا ہے۔

"لوگوں سے اطاعت کرانے کا مسئلہ دشوار ہے، متابعت کے حاصل کرنے کے لئے ابتدائی شرط یکسانیت ہے نہ کہ وحدانیت۔ اور یکسانیت بھی اس چیز کی جسکو ہم Church (مذہب) اور State (سلطنت) کہتے ہیں۔ ڈاکٹر آرنلڈ یونانی تخیل اور تاریخ روما کے مطالعہ سے فارغ ہونے کے بعد یہ تلقین کیا کرتا تھا کہ یکسانیت زمانہ حاضرہ کے گمراہ لوگوں کا بڑا علاج ہے۔ لیکن وہ یہ تلقین ان گمراہ لوگوں کے سامنے کرتا تھا جن کے کان دوسرے خیالات سے معمور تھے۔ اور وہ مشکل سے اس کے منشا کو سمجھتے تھے، ہر چند تلقین زمانہ حاضرہ کے لئے جس پر اس کا اطلاق کیا جاتا تھا غلط تھی، لیکن پرانی دنیا کے لئے جس سے وہ تحصیل کیگئی تھی بہت عمدہ تھی۔

اگر ضرورت ہے تو صرف ایک حکومت کی، خواہ تم اسے مذہب کہو یا سلطنت، طاقت کا منقسم کرنا خالی از خطرہ نہیں ہے۔ بادشاہ کو پیشوائے مذہب ہونا چاہئے اور پیغمبر و بادشاہ دونوں کے افعال ایک ہی ہونے چاہئیں۔ کیونکہ وہ ایک ہی ہیں، تعزیر روحانی اور شرع کے مابین تفاوت کے خیال کو کبھی بیدار نہیں کرنا چاہئے۔"

بیشک اسلام میں بادشاہ اور پیشوائے دین کے فرائض ایک دوسرے سے ایسے ہی وابستہ تھے اور دونوں کے جدا کرنے کی کبھی کوشش نہیں کی گئی اور نہ کسی کو اس کوشش میں کامیابی ہو سکتی۔ کیونکہ مذہب و سیاست ایک دوسرے کے ساتھ منسلک تھے۔ اسلام کا بادشاہ ہمیشہ سے اور آجتک پیغمبر صلعم کا قائمقام تصور کیا جاتا ہے اور یہی وجہ تھی کہ باوجود عیوب و نقائص کے خلفائے بنی امیہ اور بنی عباس کے زمانہ میں بھی ان کا مذہبی اقتدار ان سے دور نہیں ہوا۔

سید وزارت علی

ملا اعلیٰ کا سیاح

باب ثانی

(۱)

مرکری اور گنی میڈ اولمپس کے کمرے میں کوچ پر پڑے انگڑائیاں لے رہے تھے۔

"سخت حیرت کی بات ہے،" مائیا کے بیٹے نے جمائی لیتے ہوئے کہا۔

"مگر اس پر بھی اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔" جوپیٹر کے ساقی نے ذرا اپنے پیروں کو پھیلاتے ہوئے جواب دیا۔

"ایک بدبخت انسان،" دیوتا نے اپنے ابروؤں میں بل ڈال کر کہا۔

"تھسلی ایک اوباش!" فریجیا کی حسین عورت نے شانوں کو ایک جھٹکا دیکر کہا۔

"ابھی تین دن نہیں ہوئے کہ وہ خود اپنی ملعون جنس کے اندر بھی مردود تھا۔"

"اور آج آسمانوں میں ہر شخص پر حکومت کرتا ہے!"

"لیکن اسکی حکومت مجھ پر نہیں چل سکتی،" مرکری کہنے لگا۔

"کیوں؟" گنی میڈ نے جواب میں کہا۔ "آخر تمھارا کیا خیال ہے کیوں ایسا نہ ہوگا؟ کل رات ہی کو خبردار وہ یہیں آ رہا ہے۔"

دونوں اپنی اپنی جگہ چھوڑ کر کھڑے ہو گئے اور بلکی سی ہنسی سنائی دی۔ صنوبری دروازہ کھول دیا گیا اور ایگزیان اندر داخل ہوا۔ وہ ایک زرغل میں جو نہایت فراخ و کشادہ تھا ملبوس تھا۔ اس نے اپنی ایک سلیپر کو ٹھوکر مار کر پھینکدیا

"اوہو! تھسلی کے بادشاہ نے کہا۔ "وہی دونوں چیزیں مجھے ضرورت تھی! گنی میڈ، میرے لئے تھوڑا آب نشاط لاؤ اور مرکری تم دوڑ کر جاؤ کو اطلاع کر دو کہ آج شام کا کھانا میں گھر میں نہ کھاؤنگا۔"

وہ پیغام رساں اور آبدار سے آنکھوں ہی آنکھوں میں اشارہ ہوا جسمیں اضطراب آمیز نفرت شامل تھی۔

"تم لوگ کس بات کے منتظر ہو؟" آئنہ کے سامنے کاکلیں درست کرتے کرتے ایگزیان نے ان کی طرف دیکھ کر کہا، اور ساقی و پیامبر نظروں سے غائب ہو گئے۔

"ہوں! یہی آسمان ہے! جگہ تو نہایت فرحناک ہے، مگر ان قابل دیوتاؤں کو اس بات کی ضرورت تھی کہ ذرا اُن کے ذہن و دماغ میں وسعت پیدا کی جائے۔ میں سمجھتا ہوں کہ میں نے ان کے دماغوں کو شگاف دے کر کافی کشادہ کر دیا ہے۔ وہ اپنی قدیم متروک وضع کی بنا پر مجھے ذلیل کر کے رکھنا چاہتے ہیں، لیکن میرا خیال ہے کہ میں نے اُن کے محاسن میں تبدیلی پیدا کر دی ہے۔ آسمانوں میں اقتدار قائم رکھنے کے لئے حکومت کی ضرورت ہے۔ جوو، حقیقت میں اپنی ذات سے نہایت خوب مرد بزرگ ہے، لیکن کچھ تخیل پرور بھی ہے۔ وہ مجھے بہترین منظورِ نظر اور مقرب سمجھتا ہے اور اس کا خیال ہے کہ میرے مقابلہ میں کسی شخص کا کسی موضوع پر دعوائے مہارت و تکمیل، لغو اور ناقابلِ قبول ہے، خواہ وہ صنعت جمیل کی خصوصیات سے بحث ہو یا دوڑ کے گھوڑوں کے علم الانساب

سے، لباس کی قطع و وضع کا مسئلہ ہو یا کسی کھانے کے ذائقہ کی بحث ہو۔"

"شکریہ، گنی میڈ! شاہ تخلی نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے آبدار سے کہا، جو اسکے لیے آبِ نشاط کا گلاس لایا تھا "میں تیری کامرانی و خوش بختی کا جام نوش کرتا ہوں واہ، نہایت لذیذ ہے، اس آبِ نشاط کے پینے سے میں اپنے میں غیر فانی محسوس کرنے لگتا ہوں میرے کانوں میں نہایت شیریں صدائیں پہونچ رہی ہیں، ایوانِ نغمہ میں کون ہے؟"

"سرکار سب دیویاں وہی ہیں اور یوٹرپی (Euterpe) کی ایک نئی راگنی کی مشق کر رہی ہیں - بول اپالو کے ہیں، نہایت پیاری راگنی ہے، یقیناً یہ بہت مقبول ہو جائیگی، کیونکہ اس کا موضوع کلام، ماہتاب اور مصیبتِ حیات ہے۔"

"میں بھی اسے پسند کرتا ہوں۔"

"آپ کو بھی شعر و سخن سے ذوق ہے؟" گنی میڈ نے دریافت کیا۔

"بالکل نہیں" ایگزیاں نے جواب دیا۔

"اپالو" ساقی سما نے پھر کہا "بہت ذہین ہے اگرچہ مرسیاس کا خیال ہے کہ وہ شاعر نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ ایک دیوتا ہے، اور اس کے پاس دل نہیں ہے، کیا آپ کا بھی یہی خیال ہے کہ ایک شاعر کو صاحبِ دل ہونا ضروری ہے؟"

"دراصل میں اس معاملہ میں کچھ نہیں کہہ سکتا، مجھے یاد ہے کہ میری بیوی نے ہمیشہ یہی کہا کہ میرا دل ناقص اور دماغ ناقص تر ہے۔ لیکن اس کے کہنے سے اس کا کیا مقصود تھا، میں کبھی نہ سمجھ سکا۔"

"منروا، مزور خواہش کریگی کہ آپ اُس کے البم میں کچھ تحریر فرمائیں۔"

"کیا واقعی؟ مجھے تو یہ سنکر ملال ہوا، کیونکہ میں اپنا نام بھی بمشکل لکھ سکتا ہوں، میرا تو یقین ہے کہ خود جوو بھی ان تمام بیہودگیوں کی پروا نہ کرتا ہوگا۔"

"جوو کی طبیعت لطائف پسند واقع ہوئی ہے، آپالو کی نظموں میں اسکے لیے کوئی دلچسپی نہیں ہے وہ متقدمین کا مسلک رکھتا ہے اور طنزیات سے بہت لطف اٹھاتا ہے بشرطیکہ اسمیں دیوتاؤں اور بادشاہوں کی تضحیک صرف نہ کی گئی ہو۔"

"بالکل درست، مجھے اس سے کامل اتفاق ہے، مجھے یاد ہے ہمارے یہاں لاریسا میں بھی ایک شاعر تھا، جس نے میرے خانوادہ کو طوفان سے بھی زیادہ قدیم ثابت کر دیا تھا اور پھر وظیفہ کی درخواست کی تھی، میں نے اسکی التجا مسترد کر دی اس پر اس نے ہجو لکھی اور کہا کہ میں دوکیلین[1] Deucalion اور فیرا[2] Phegra کے پتھر پھینکنے سے پیدا ہوا، جب وہ دنیا کو مکرر آباد کر رہے تھے اور میرے اپنے آباو اجداد کی تمام خصوصیات مجھ میں موجود ہیں۔

"اوہو، سنئے، گرج کی صدا آرہی ہے، جوو کے یہاں میری طلبی ہے، مجھے اب جانا چاہئے۔"

"اور میں ذرا ان موسیقی نوازوں کو دیکھنا چاہتا ہوں غالباً

---

[1] میوزز (Muses) میں سے ایک جو مسرت اور نغمہ کی دیوی۔

[1] یونان کا ایک بادشاہ جسکے عہد میں انسانی فسق و فجور کے باعث دنیا تباہ ہو گئی، اور اس نے اپنی بیوی کے ساتھ پتھر پھینکے، اسکے پتھروں سے مرد اور اسکے بیوی کے پتھروں سے عورتیں پیدا ہوئیں۔ [2] ڈیوکلیان کی بیوی۔

بھی راستہ ہے؟"

"عقیق احمر کا زینہ چڑھ کر داہنی جانب مڑ جائیگا وہاں نیلمی گنبد کے نیچے ہی ایوان نغمہ ہے الوداع!"

(۲)

شاہِ تھسلی، ایوانِ نغمہ میں جسکی طلائی دیواروں پر ایک بلوری گنبد قائم تھا داخل ہوا، ملکہ سمادات ایک آرام کرسی میں پڑی آرام کر رہی تھی، اور خط کے کاغذ پر کچھ نقوش بنا رہی تھی؛ منروا گیتیوں کے کسی مسودہ پر پنسل سے کچھ نوٹ کرتی جاتی تھی، اپالو نہایت توجہ کے ساتھ اسکی تعریف آمیز تنقید کو سن رہا تھا۔ ایک اور سمادی خاتون یوٹرپی کے پاس کھڑی تھی جو بربط کے قریب بیٹھا تھا، ایگزیان کے داخل ہوتے ہی سب اس کی جانب متوجہ ہو گئے، زہرہ کا نرم و پر جمال چہرہ اور اس کی آنکھوں سے نکلنے والی وحشی و رقیق نگاہیں اس کے الہۃ الجمال ہونیکی غماز تھیں!

جونو نے نہایت متکبرانہ انداز میں ایک اشارۂ سر سے ایگزیان کو دیکھ لینے کا اعتراف کیا اور پھر اپنے شغل میں مصروف ہو گئی منروا نے اپنی اصطلاحات کے متعلق اسکی رائے دریافت کی جسے اُسنے نہایت پسند کیا۔ وینس نے اُس کی آسمانوں میں تشریف آوری پر خیر مقدم اور اس سے متعارف ہونے پر اظہار مسرت کیا۔

"آسمانوں کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟" وینس نے نہایت نرم اور دھیمی آواز میں گرمیوں میں تابش برق کیطرح تبسم ہو کر دریافت کیا

"میں نے انہیں اس سے زیادہ محو کن کبھی نہ پایا، جتنے وہ اسوقت معلوم ہو رہے ہیں" ایگزیان نے جواب دیا۔ "مگر سنسان ضرور پایا ہوگا!

میں خود اپنا بیشتر وقت کینڈوس[۵۱] (Cnidos) میں گذارتی ہوں۔" "آپ کو وہاں اگر مجھ سے ایک مرتبہ ضرور ملنا چاہیے، تمام عالم میں اس سے زیادہ دلکش مقام کوئی نہیں ہے، آپ جانتے ہونگے، کہا جاتا ہے کہ ہمارے یہاں کی بیاز دوسری جگہ کے گلاب کے مانند ہوتی ہے، یہاں آپ اپنی بیوی سے محفوظ رہیں گے۔ اس کے ہم ذمہ دار ہیں۔"

"مجھے اُس سے تو کچھ اندیشہ نہیں ہے کیونکہ وہ ہمیشہ گھر ہی میں رہتی ہے اور مشاغل خانہ داری میں (جسکے معنی صرف اچارہ مربے طیار کرنے اور اپنے شوہر سے جھگڑنے کے ہیں) اپنے آپکو مکمل خیال کر کے فخر کرتی ہے۔"

"اہا، میں اب سمجھی، آپ مسخرے بھی واقع ہوئے ہیں، یہ تو نہایت خوب بات ہے۔ ہاں جہانتک میری طبیعت کا تعلق ہے مجھے کنارِ آب کی زندگی بے حد پسند ہے، کینڈوس، سٹھرا[۵۲] پاپاقوس[۵۲]

آپ مجھے بالعموم انہی مقامات میں کہیں نہ کہیں پائینگے۔ مجھے ایک ہستی کی آسان تباہی اور اسکا اضطرار و جنوں بہت پسند ہے، لیکن یہ نہیں چاہتی کہ اسکے آثار و علائم نمایاں ہو جائیں۔ ہاں مجھے اس پر بھی فخر ہے کہ میں بنگھٹ کی بھی دیوی ہوں، آپ ایکبار کینڈوس ضرور آیئے"

"اس نوع کی تو ید ممنون تکرار کیوں ہو، کینڈوس آپکا نہایت مقبول مقام ہے"

"ہاں وہ میرا محبوب مسکن رہ چکا ہے، مگر کچھ دنوں سے وہاں ایشیا اور بالخصوص ایران کے مریضوں نے کثرت سے آنا شروع کر دیا ہے، اور وہاں کا دلفریب نظارہ مشکل ان کے زرد چہروں اور غمناک فضا

---

۵۱ یونان کا ایک مقام جہاں وینس کا نہایت حسین مندر تھا۔
۵۲ سائپرس کا ایک شہر جہاں وینس ہی کی عبادت کی جاتی تھی۔

کے منظر کا نعم البدل ہو سکتا ہے، اب میرا مقبولِ خاطر اور محبوب دل مقام پافوس ہے۔"

"میں نے اسکی پرتجمل عشرت آگینی کے تذکرے سنے ہیں۔"

"حقیقتاً پافوس نہایت پیاری جگہ ہے، دیہاتی زندگی کے متعلق میرے افکار کی صحیح ترین تشکل ہے، درخت وہاں ایک بھی نہیں ہے، سائیپرس کی گرمی جب برداشت کی حد سے تجاوز کر جائے، تو آپ بحری ہوا کا لطف حاصل کرنے کے لئے پافوس آئیے، وہ ایک ایسا مقام ہے جہاں ممکن نہیں کہ آپ اُن سب لوگوں سے ملاقات نہ کر سکیں، جن کی موجودگی کی آرزو ہو سکتی ہے۔ جسقدر ناخوشگوار عنصر ہے وہ علیحدہ ایک گوشہ میں پڑا رہتا ہے،

"مجھے اپنی شادی کا واقعہ یاد آگیا، ہم نے اپنا عہدِ عروسی سنتھرا میں گزارنے کا قصد کر لیا تھا لیکن ڈیا نے اپنی خادمہ اور جامہ دان کو رتھ کے وسط میں اپنے اور میرے درمیان جگہ دی، اس لئے ایک منزل کے بعد میں ناراض ہو کر واپس چلا آیا،"

آپ نے نہایت مناسب بات کی۔ ایسا کرنے میں آپ بالکل حق بجانب تھے۔ مجھے جامہ دان وغیرہ سے سخت نفرت ہے،

یہ چیزیں ہمیشہ وقت و پریشانیوں کا باعث اور حارج ہوتی ہیں۔ آپ سنتھرا کو نہایت پسند کرتے، بشرطیکہ آپ کے دل میں ایک خفیف شعلۂ محبت بھی فروزاں ہوتا! بلند چٹانیں، سرسبز چوٹیاں، سنسان دشت زار، پُرپیچ و خم راستے اور حیرت فزا مناظرِ غروب، یہ سب نہایت دلکش چیزیں ہیں، ماضی قریب میں میرا رہنما وہاں زیادہ نہیں ہوا" حسن و محبت کی دیوی گونہ رنجیدہ و ملول نظر آتے ہوئے کہتی رہی "جب سے میں لیکن مجھے آپ کی موجودگی میں ایسی گفتگو نہ کرنی چاہیئے جس کا تعلق وجدان و انعطاف سے ہو۔"

"شاید آپ صحیح ہوں، کیونکہ ہم لوگ یعنی انسان آخر آخر حسن کھو بیٹھتے ہیں"

"میرے علم میں بھی یہی ہے، مگر کتنی انوکھی بات ہے!" یہ کہکر وہ میز کی طرف متوجہ ہوئی جو اسی وقت داخل ایوان ہو رہا تھا مزاج پرسی کی اور چلدی ایکزیان حربی ہیرو سے متعارف کرایا گیا، جس کی خشونت اس کے خم تعظیم سے ظاہر تھی شاہ تھسلی پھر اپنی جگہ آبیٹھا اور منرو اسنے اپنا البم پیش کر دیا اور درخواست کی کہ وہ اپنے ہاتھ سے کچھ اشعار درج کرے "دو عقل و دانش کی دیوی" بادشاہ نے کہا "تاوقتیکہ آپ ہی کچھ ملہمات مجھ پر طاری کر دیں، یہ اچھوتا صفحہ آپ ہی کی طرح پاک و صاف رہے تو بہتر ہے، میں تو کسی زمان پر بھی بدقت دستخط کر سکتا ہوں"

یہ الفاظ ایکزیان شاہِ تھسلی کے منہ سے تو اچھے معلوم نہیں ہوتے تھے، تھسلی کا وہ بادشاہ، جسکا مشاہدہ عمیق اور اگر میں غلطی پر نہیں ہوں تو جسکے محسوسات و خیالات مسلم ہیں! میں بآسانی تسلیم کر سکتی ہوں کہ ایک ہستی کو اپنے حرکات و اعمال عوام کے سامنے پیش کرنے سے بجا طور پر احتراز ہو سکتا ہے، لیکن از راہ کرم منرو اکی درخواست کو تو اسکی توقع پورا کرنے کے خیال سے سرفراز فرمایئے، کیونکہ وہ اُن میں سے نہیں ہے جنکے لئے یہ کلیہ وضع ہوا ہے"

"ہاتف کی ملہمہ موسیقی میرے کانوں میں پہونچتی ہوئی معلوم ہو رہی ہے، ایک قلم عنایت فرمایئے" منرو اسنے قلم دیتے ہوئے کہا "یہ یوم مقدس کے برکا قلم ہے"

"اچھا لیجئے سرِ دست لکھے دیتا ہوں۔ یہ لیجئے اتنا کافی ہوگا"

منرو اسنے اس تحریر کو پڑھا؟:-

"میں نے دنیا کی سیر کی ہے اور دنیا سے بھی کچھ زیادہ دیکھا ہے

میں نے قلبِ انسانی کا مطالعہ کیا ہے۔ اور اب میں غیر فانی ہستیوں کی صحبت اختیار کرتا ہوں؛ اپنے تخیل علم کا جو ثمر میں نے توڑا ہے یہ ہے:-

"واردات اسکے لئے ہیں جو انکی تلاش کرے"

(بقلم ایکزیان، مقیم سماوات)"

"ہر چند نہایت مختصر"، منزو نے مزاحاً کہا "مگر نہایت بلیغ، آپ کا دل نہایت جری اور دماغ نہایت مالامال ہے۔"

"میں فی الحقیقت نہایت جرأت کی ہے، مجھ سے جو ہو جائے تھوڑا ہے!"

"مجھے جود کے پاس بغرض مشورہ جانا ضروری ہے" منزو نے کہا "پھر ملاقات ہوگی، الوداع!"

شاہ تھسلی باقی مہمانوں سے علیحدہ بغل میں ہاتھ دئے ہوئے ایک ستون سے لگ کر جسپر پھولوں کے ہار لٹکے ہوئے تھے متاملانہ کھڑا تھا، مریخ، شوق عقیدت مندی کا سراپا بنا ہوا دینس کی باتیں سن رہا تھا، یوتربی نے بربط کے الہام آفریں سُروں کو انکی باتوں سے ہم آہنگ کر دیا، ملکۂ سماوات اُسی طرح اپنے کاغذی طاؤس میں محو تھی۔

ایکزیان بڑھ کر جونو کے برابر والی کرسی پر بیٹھ گیا، اسوقت اسکے انداز و آداب میں ادائے استغنا اور بے پروائی کوں خرامی جو اسکی شخصیت کے نمایاں خط و خال تھے موجود نہ تھے، بلکہ وہ کسیقدر پریشان و متفکر تھا اسکا ہمہ وقت آمادۂ گفتگو رہنا رخصت ہو گیا تھا، بالآخر اس نے جونو سے مخاطب کیا۔

"آپنے کبھی ملکۂ میسوپیمیا کے طاؤس کے متعلق بھی کچھ سنا ہے؟"

"نہیں!" جونو نے شاہانہ انداز میں جواب دیا اور پھر ایک بے تعلق سے شوق تحقیق کے ساتھ کہنے لگی "کیا وہ قابل ذکر ہے؟"

"جی ہاں، اسکا پوتا نقرئی ہے، بازو طلائی ہیں، آنکھیں لعلِ شب چراغ کی ہیں اور پنجے نیلم کے ہیں۔"

"اور اسکی دُم؟" جونو نے نہایت شوق کا اظہار کرتے ہوئے سوال کیا۔

"یہ ایک راز ہے" ایکزیان نے جواب میں کہا "اسکی دُم ان سب چیزوں سے زیادہ پُر حیرت اور تعجب خیز ہے۔"

"افوہ! بتلایئے! مہربانی فرما کر بتلایئے۔"

"مجھے یاد نہیں رہا۔"

"نہیں نہیں، یہ محال ہے" جونو نے کہا "میں منت کرتی ہوں اب تو بتا دیجئے!"

"اسکی ایک وجہ ہے جو مانع ہو رہی ہے۔"

"وہ وجہ کیا ہو سکتی ہے؟ کسقدر زوال بات ہے! کون سی ایسی ممکن وجہ ہو سکتی ہے؟ بتایئے میرے اوپر خاص عنایت فرما کر بتا دیجئے! میں التجا کرتی ہوں بتا دیجئے!"

"کون سی چیز بتاؤں، دُم یا اُسکے نہ بتانے کی وجہ؟ دم حیرت خیز ہے، لیکن اُسکے نہ بتانے کی وجہ اس سے زیادہ پُر حیرت"

"میں دونوں میں سے ایک بات بتا سکتا ہوں، فرمایئے دُم کا قصہ سناؤں یا اُسکے نہ بتانے کی وجہ بیان کروں؟"

"یہ انسان بھی کسقدر عجیب الخصال آفریں ہوتے ہیں۔ دُم عجیب غریب ہے مگر وہ وجہ اس سے زیادہ حیرتناک ہے؟ اچھا تو وجہ نہیں دُم کا حال سنایئے۔ نہیں ٹھیریئے، ایک مخصوص ترین عنایت کے طور پر، دونوں باتیں بتایئے! دُم کس چیز کی بنی ہوئی ہے اور وہ وجہ کیا ہو سکتی ہے؟ میں فی الحقیقت شوق تحقیق سے مری جا رہی ہوں۔"

"آپنے یہ طاؤس تو غلط بنایا ہے" ایگزیان نے نہایت اطمینان کے ساتھ کہا "یہ تو زیادہ تر مرغوا کے بوم سے ملتا جلتا ہے"

"آہا! کاغذی طاؤس کا کسی کو خیال بھی کیا ہو سکتا ہے، جبکہ ملکۂ میسوپٹیمیا کے پاس ایک ایسا معجزہ موجود ہے"

جونو نے یہ کہہ کر اپنے تمام دن کی محنت یعنی اس کاغذی طاؤس کو پھاڑ کر غصہ سے پھینکدیا "اگر آپکو ذرہ برابر بھی میرا پاس و لحاظ ہے تو اب ایک لمحہ کی دیر نہ کیجئے اور بتا دیجئے دم کس چیز کی بنی ہوئی ہے"

"اور آپ اسکی وجہ نہیں سننا چاہتیں؟"

"اسے بعد میں بیان کیجئے گا، ہاں میں ہمہ سماعت ہوں"

ٹھیک اسی حالت میں گنی میڈ داخل ہوا اور جونو کے کان میں کچھ سرگوشی کی، جس کے بعد وہ کچھ پریشان سی ہو کر فوراً کھڑی ہو گئی اور جوو کے دربار کو چلی گئی۔

(۳)

تھسلی کا بادشاہ بھی ایوان نغمہ سے کچھ متاثر ہوا اور اٹھ کر چلا گیا، تاہم اسکے جذبات ہنوز بے قابو و بے اختیار نہ ہو گئے تھے۔ وہ اولمپس کے باغ میں ٹہلتا رہا اور ایک ایسے مقام پر پہونچا، جہاں ایک سرسبز اور نہایت حسین کنج تھا اور بے شمار صنوبروں سے گھرا ہوا تھا، صنوبر کے یہ درخت اپنے عمر کے لحاظ سے کائنات کے ہم عصر معلوم ہوتے تھے اور اسقدر سرسبز و شاداب تھے گویا اولین شبنستان بہار نے جسم اختیار کر لیا ہے۔ فرش سبزہ مخمل سے زیادہ نرم و نازک اور بہت معطر تھا۔ ایگزیان نے بے قابو ہو کر اپنے تئیں اس سبزہ پر ڈال دیا اور ایک ہاتھ کا تکیہ بنا کر کسی گہرے خیال میں محو ہو گیا۔

اس حالت میں ساعتیں گذر گئیں، آفتاب کی طرح تجلی سے مشہور رہنے والے پہاڑوں پر جو فاصلے پر نظر آ رہے تھے ایک پر لطف اور پر اسرار سایہ محیط ہو گیا۔

"ایگزیان، کیسا مزاج ہے" ایک آواز نے دریافت کیا جو چڑیوں کی آواز کی طرح شیریں اور دلنشین تھی شاہ تھسلی چونک پڑا اس شخص کی حیرانی کی طرح جو کسی خواب سے دفعتاً بیدار ہو جائے یا ایسی حالت انتشار کے ساتھ جو متین اور حلیم شخص میں کسی عجیب راز کے غور و فکر میں پیدا ہو جاتی ہیں ادھر ادھر دیکھنے لگا، اس کا چہرہ تمتما اٹھا، سیاہ آنکھیں ملہب ہو کر روشن ہو گئیں، اس کی ابروؤں میں لرزش تھی اور اسی کے ساتھ ہوا کے جھونکے اسکے کاکلوں کو منتشر کر رہے تھے، اسکی نگاہیں جہاں پہونچکر قائم ہو گئیں وہ ایک شباب حسن آفریں تھا۔

اس نے منزل بلوغ میں ابھی قدم رکھا تھا اسکا قد بہ لحاظ عمر کسیقدر مائل بہ درازی تھا، تاہم اسکا جسم بے انتہا متناسب تھا، رنگ نکھرا ہوا تھا، اور ماہتابی رخساروں کے اندر نہایت لطیف مگر مکمل چمک پیدا تھی، گویا وہ شفقی روش میں کھلنے والے دو گلاب تھے، اسکی بڑی بڑی آنکھیں جن کے انعکاس سے آسمان اور سمندروں میں یہ رنگ پیدا ہو گیا، نشاط خرمی سے جھلک رہی تھیں، اور نہ چھپنے والا رنگ اسمنزار اسکے لبوں کی حرکت بن گیا تھا، اسکی ہلکی سنہری کاکلیں بلورین پیشانی پر پڑی ہوئی تھیں اور گردن و رخساروں پر سیل شعاع کی طرح پھیل گئی تھیں، اس شباب حسن پر درد عشق افزا کے شانوں پر دو حسین و دلفریب شہپر، دو ارتعاش اندوز بازو، جو رنگ شفق کے قسم پر درد معلوم ہو رہے تھے، بھڑک رہے تھے

انکی رنگینیاں اسقدر بدیع، اتنی روشن اور اسدرجہ عجیب تھیں کہ ان کا کوئی نام نہیں رکھا جاسکتا، یہ ارغوانی و قرمزی طلائی و آسمانی خطوط کا کچھ ایسا امتزاج تھا کہ خیال مشکل سے اُنکے حسن کا اندازہ کرسکتا تھا، لعلین و زبرجدی انجم سے مرصع ہوکر مختلف الوان کا شعلہ زریں معلوم ہوتا تھا، اسکے شانہ پر ایک خوبصورت ترکش تھا اور وہ خود ایک حسین کمان کا سہارا دے کھڑا تھا!

خداوند! کیونکہ تم دیوتا ضرور ہو!" بالآخر حیرت زدہ ایکزیان سے ضبط نہ ہوسکا اور وہ پکار اُٹھا" کیا میں خدائے عشق کے حضور میں ہوں!"

"ہاں میں فی الواقعی کیوپڈ ہوں!" جوان نے کہا" اور یہ معلوم کرنے کا مشتاق ہوں کہ ایکزیان اس وقت کس سوچ میں ہے؟"

"لیکن خیال نطق کے مقابلہ میں زیادہ پر حوصلہ و جری ہوتا ہے"

"اگرچہ ایک فانی انسان، مگر سنجیدہ و ذی شعور! کیوپڈ پر اعتماد کرنے میں اندیشہ نہ کرو۔ میں جانتا ہوں کہ بلا میری استعانت تمھارا کام نہ چلیگا۔ فرش سبزہ پر وسیع سایہ اشجار میں محو تمثیل ہوجاے" اور اسے کیوپڈ کے امداد کی ضرورت نہ ہو! ایسا بھی کوئی انسان سُنا ہے؟ چلو اب بے تکلف ہوجاؤ لو بتاؤ وہ ہیروئین کون ہے؟ دنیا کے کسی دور دراز مقام پر کون دلگرفتہ کنواری ہے یا کوئی مشتاق تنگر معشوقہ اسکی کمزوریاں اسکی دلفریبیوں کے مقابلہ میں آسانی کے ساتھ نظر انداز کردی جاسکتی ہیں؟

"یہ سچ ہے کہ یہ صورت ایک دردناک حالت ہے بہرنوع وہ تمھاری بیوی تو ہو نہیں سکتی!"

"بیشک وہ نہیں ہے" ایکزیان نے مغلوب جذبات ہوکر جواب دیا "کسی اور کی بیوی؟"

"نہیں!"

"تو کیا کوئی سنگدل دوشیزہ ہے؟"

"ایکزیان نے اپنے سر کو جنبش دی"

"تو پھر کوئی بیوہ ہوگی!" کیوپڈ نے کہا" ایک بیوہ کے ساتھ تو ایسا پر استغنا طرز عمل کبھی منسوب نہیں کیا گیا"

"کیوپڈ کے رعب و جلال، میرے اوپر رحم فرما!" شاہ تسلی یہ کہتا ہوا زمین سے اُٹھا اور کیوپڈ کے سامنے دو زانو ہوگیا۔

"تو سارے عالم میں انسان کا رفیق و ہمدم ہے اور تیرے فرمانگا پر انسان کی نذریں خواہ وہ کسی حصہ زمین اور کسی قوم و نسل سے متعلق ہوں ایک ہی جذبہ کے تحت میں پڑھائی جاتی ہیں! میں محبت میں مبتلا ہوں، مجنونانہ، بے خوف و بلا تامل تقدیر کے ہاتھوں مبتلائے عشق ہوگیا ہوں، میرا موضوع محبت نہ تو خود میری بیوی ہے اور نہ کسی اور کی، باوجود ان تمام باتوں کے جو مجھ سے منسوب کیگئیں اور جن کا یقین دلایا گیا ہے، میں سوسائٹی کا ایک با اخلاق فرد ہوں، جس سے مجھے عشق ہے وہ نہ تو ایک دوشیزہ ہے اور نہ کوئی بیوہ، وہ"

"کون؟ کون؟" کیوپڈ نے بے قرار ہوکر دریافت کیا۔

"ایک دیوی!" بادشاہ نے جواب دیا۔

"فررر!" کیوپڈ نے سیٹی بجائی "کون؟ کیا میری نفیس پرانی ماں، اپنی معصوم چونچلے بازیوں سے تمھارے ساتھ اختلاط کرتی رہی ہے؟"

"یہ تو صحیح ہے لیکن اسکا میرے اوپر کوئی اثر نہیں ہوسکا"

"کیا وہ ہیب ہے؟ ڈانٹا تو ہو نہیں سکتی، کیونکہ وہ ارجمند سرد مہر ہے، یا کوئی میوز ہے یا گریسوں میں سے کوئی ہے؟"

"ایکزیان نے پھر سر ہلا دیا"

"تو مہربان بتایئے نا!" کیوپڈ نے نہایت معتمانہ لہجہ میں کہا "جو کچھ آپ کہہ چکے ہیں اسکے بعد کچھ پوشیدہ رکھنے کی سعی ایک فضول سی بات ہے، اپنے دل کو تسکین و تسلی دو اگر میں تمھاری کوئی امداد کر سکتا ہوں تو میری کارفرمائیوں پر بھروسہ کرو"

"خداوند فیفرساں!" ایکزیاں نے کہا "اگر میں کبھی ویسا واپس پہونچا تو یوناں میں روشن ترین قربانگاہ تیری ہی ہوگی ایمیں اپنے تمام اعتماد آمیز سادگی و پاکیزگی کے ساتھ جو ایک پرجوش پجاری میں پائی جا سکتی ہے تیری خدمت میں ملتجی بنا ہوا ہوں اور بتاتا ہوں کہ میرا مقصود خود ملکہ سماوات ہے!"

"جونو! قسم ہے تمام مقدس چیزوں کی!" کیوپڈ اچھل پڑا "میں حاضر ہوں" شاہانہ انداز کے ساتھ جواب ملا۔

ملکہ سماوات کا قامت دراز، شاہانہ انداز کے ساتھ ایک کنج سے نکل کر آگے بڑھا۔ ایکزیانِ خاموش کھڑا ہوا تھا،

اس حال میں کہ اسکی آنکھیں زمین پر گڑی ہوئی تھیں، اسکا دل دھڑک رہا تھا اور رخسارے سرخ ہو رہے تھے۔ عشق کا شریر دیوتا ایک قہقہہ مار کر ہنسا۔

"ایک خوبصورت اجتماع!" کیوپڈ کہنے لگا، اور ان دونوں کے درمیان چھیلیں کرتا اور انکو دیکھ دیکھ کر ہنس رہا تھا "یہ یقیناً ایک قرآن حسین!" "اہا میں ناحق دخل ہوں؟ الوداع!" یہ کہتے ہوئے اپنے ترکش سے دو تیر نکالے اور برق کی سرعت کے ساتھ ایک کو ملکہ سماوات اور دوسرے کو شاہ تھسلی کے پہلو میں پیوست کر دیا۔

(۴)

اولمپس کی شفق نیلیں غائب ہو چکی تھی، گونا گوں رنگوں میں ڈوبے ہوئے ستارے ضیا ریز تھے، ایکزیاں اور جونو قصر کی جانب لوٹے اس شکل میں کہ جونو نے اپنے دلکش وجود کا سارا بار ایکزیان کے بازوؤں پر ڈالدیا تھا اور خجل و منفعل نگاہوں کے بار سے آنکھیں جھکی ہوئی تھیں، یہانتک کہ یہ دونوں قصر کے قریب پہنچ گئے، لیکن اسکی زبان سے ایک حرف نہ نکلا۔ ایکزیان بھی خاموشی اور محویت کے ساتھ تنویر آسمان کو دیکھ رہا تھا

جب قصر زریں سو قدم کے فاصلہ پر رہ گیا تو جونو دفعتہً رک گئی اور ایک قسم کے ساتھ اسکے چہرے کو دیکھنے لگی اور پھر کہا "میں یقین کرتی ہوں کہ اب تو تمھیں یہ بتانے سے انکار نہ ہوگا کہ ملکہ میسوپٹیمیا کے طاؤس کی دم کس چیز کی ہے؟"

"اب انکار کیونکر ممکن ہے!" ایکزیاں نے جواب دیا "اچھا تو سنو، ملکہ میسوپٹیمیا نے اپنے طاؤس کی دم اُن پروں سے بنائی ہے جو اس نے کیوپڈ کے بازوؤں میں سے چُرائے تھے"

"اور وہ وجہ کیا تھی جس نے تمھیں یہ راز اسوقت بتانے سے باز رکھا؟"

"حسین جونو" وہ یہ ہے کہ میں محتاط ترین آدمی ہوں اور ایک خاتون کے راز کی عزت کرتا ہوں خواہ وہ کیسا ہی معمولی کیوں نہ ہو"

"یہ سن کر میں نہایت خوش ہوئی" جونو نے جواب میں کہا اور دونوں قصر خداوندی کے اندر داخل ہو گئے۔ مرکری، جونو اور ایکزیان کو اس محراب میں ملا جس کے اندر ہو کر دیوان جشن عشرت کو راستہ جاتا تھا۔

"میں تو آپ ہی کو تلاش کر رہا تھا!" مرکری نے اپنا سر ہلاتے ہوئے کہا "جوو نہایت غصہ میں ہے کامل ایک گھنٹہ سے کھانا تیار ہے۔ شاہ تھسلی اور ملکۂ سماوات نے آنکھوں ہی آنکھوں میں کچھ کہا اور صالوں میں داخل ہو گئے۔

جوو نے نگاہ برق سے دیکھا لیکن خیریت گذری کہ اس نے اپنی نگاہوں کے ساتھ حرارت و تابش کو نہ جانے دیا اس نے اوپر نیچے نظر ڈالی، سارا اولمپس لرز گیا، اور جوو نے اپنا شربہ پینا شروع کر دیا۔ تمام اہل دسترخوان خوف زدہ تھے اور کیوپڈ کے علاوہ سب محتاط۔ شریر کیوپڈ نے معاً جونو کو مخاطب کر کے کہا:۔

"عظمت پناہ کو دیر ہو گئی"

"ایک کنج اپالو کی تازہ نظم پڑھتے ہی پڑھتے سو گئی تھی" جونو نے جواب دیا "تاہم خوش قسمتی تھی کہ اس غفلت میں ایک ندیم پہونچ گیا۔ ایکزیان تم اُدھر کہاں گئے تھے؟"

"ملکہ آپ اب نشاط کا ایک گلاس ضرور پئیں" شرارتناک نگاہیں ڈالتے ہوئے کیوپڈ نے کہا "غالباً ایکزیان ہمارے ساتھ شرکت کریگا۔

یہ جشن اولمپس کا سنجیدہ ترین جشن تھا، ہر شخص کا مزاج بدلا ہوا تھا اور سب کی روحیں پرسکون معلوم ہو رہی تھیں جو پیٹر ضبط کردہ غصہ کی حالت میں جو کچھ کہتا، الفاظ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر ادا ہوتے تھے اور رعد بعید کے مانند صدا پیدا کرتے تھے۔ اپالو، منروا کے ساتھ سرگوشی میں مصروف تھا۔ مرکری کے ہونٹوں کو جنبش تک نہ ہوتی تھی۔ لیکن کبھی کبھی گنی میڈ سے تبادلہ نظر ہو جاتا تھا۔ کیوپڈ اپنے تئیں ناخوشگوار سوالات کے لئے وقف کر رکھا تھا۔ آخر الامر تمام دیوبان دوسرے کمرے میں اُٹھ گئیں۔ مرکری نے جوو کو شگفتہ خاطر کرنیکی کوشش کی لیکن صاحب عدو برق کو اسکے بہترین لطیفے بھی آمادۂ تبسم نہ کر سکے۔ اپالو اپنی انگوٹھیوں کے ساتھ کھیل رہا تھا اور ایکزیان عمیق تخیل میں غرق تھا۔

(۵)

گنی میڈ نے اس صالوں میں آنیکا اذن دیا، جہاں کھانے سے فارغ ہو کر تمام دیوبان چلی گئی تھیں۔ اس سے سب کو اطمینان ہوا۔

"مینے آپ کی اُس تحریر پر ایک حاشیہ لکھا ہے" منروا نے ایکزیان کو مخاطب کر کے کہا "اور مجھے اشتیاق ہے کہ اُسکے متعلق آپ کی رائے معلوم کروں"

"میں ایک کامیاب نقاد ہوں" تھسلی کے بادشاہ نے اُسکے پاس سے جاتے ہوئے کہا۔ جونو نے اُسے دور سے دیکھکر تبسم کیا

"ایکزیان" وینس نے، جب وہ اسکے پاس سے گزر رہا تھا کہا "آؤ کچھ باتیں کرو"

دبلا ایکزیان کے چہرہ پر رنگ انفعال لوٹنے لگا۔ اسنے ایک بے معنی ساعذر کیا، اور سلیم الطبع لیکن حیرت زدہ حسن کی دیوی کے پاس سے گزرتا ہوا، جونو کے برابر بیٹھ گیا۔ وہاں پہنچتے ہی اسکا مغموم و متفکر چہرہ دفعتہً روشن و تابناک ہو گیا۔

"اچھا! یہ معاملہ ہے!" وینس نے آہستہ سے کہا۔

"ہوں ں!" منروا بولی۔

"ہا ہا ہا!" کیوپڈ ہنسا۔

"جوپیٹر مرکری کے ساتھ تاش کھیلنے میں مصروف ہو گیا۔

"ہر کام آج غلط ہو رہا ہے!" شاہنشاہ سماوات نے کہا "کیسے دلیں

تماش آرہے ہیں!" کھانے پر استقدر انتظار کرنا پڑا! — اور ایک فانی انسان کے لئے!"

عظمت پناہ کو اسپر متعجب ہونا چاہیے" سلیم المزاج مرکری نے جو ایکزیان کو مطلق پسند نہ کرتا تھا نہ کیا" یہ خیال آتے ہوئے کہ وہ کیا ہے اور کہاں ہے؟ عظمت پناہ کو اسکے طرز عمل پر بیشک متعجب ہونا چاہیے۔ میں اسپر حیران ہوں کہ اسکا دماغ اس سے زیادہ کیوں نہیں پھر گیا، جتنا کہ ظاہر ہوتا ہے؟ ایک انسان! جسکا خمیر مٹی سے ہوا، اور آسمانوں میں! حضور غور تو فرمائیں! کیا ایک زائدہ آب گل کے دماغ کو مشتعل کر دینے کیلئے یہ کافی نہیں ہے؟ عظمت پناہ کو کھانے پر منتظر رکھنا آسمانی حکومت میں یقیناً بغاوت و غداری سے کچھ ہی کم ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ میں بھی اس امر کی کبھی توقع نہ کر سکتا تھا۔ مجھپر حکمرانی کرنا، گنی میڈ کے ساتھ اپنے خدمتگار کا سا برتاؤ کرنا، مختصر یہ کہ سارے عملہ پر حکومت جتانا، یہ سب کچھ، ایک ایسے شخص سے اور ان حالات کے درمیان متوقع ہو سکتا ہے؛ لیکن میں نے محسوس کیا ہے اور میں یہ کہنے پر مجبور ہوں کہ اسکے دل میں خود عظمت پناہ کی بھی کوئی وقعت نہیں ہے!"

"اور وہ تمپر ہی حکم چلاتا ہے! کیوں؟" جوو نے دریافت کیا۔ "میرے پاس حکم ہے۔

"مگر میں اسکی حرکتوں کو محض کھیل سمجھتا ہوں" مایا کے بیٹے نے جواب دیا" خود عظمت پناہ بھی مجھسے کوئی ایسی خدمت لینے کی توقع نہ رکھتے ہونگے، جو یہ بدتمیز، نیا نواب مجھسے روزانہ لیتا چاہتا ہے"

"اور گنی میڈ سے بھی اسکا یہی سلوک ہے"

"حضور یقین فرمائیں، اسکا برتاؤ سخت نفرت انگیز ہے" ساقی حسین نے، جو ایک سرخچڑے نوکر کیطرح، جوو کی کرسی پر جھکا کھڑا تھا، کہا۔ "سچ تو یہ ہے کہ اگر ایکزیان کا طرز سلوک یہی رہا تو ہم دونوں میں سے ایک کو یہاں سے چلا جانا پڑیگا"

"کیا یہ ممکن ہے؟" جوپیٹر نے کہا" لیکن میں اس شخص کے متعلق جو مجھے کھانے پر منتظر رہے ہر بات باور کر سکتا ہوں۔

"حضور خود ملکہ سماوات نے اسکی جرأتوں کو اسدرجہ گستاخ کر دیا ہے"

"کیا جونو اسکو جرات دلاتی ہے؟" جوو نے سوال کیا۔

"یہ کس سے چھپا ہوا ہے" گنی میڈ نے جواب دیا۔

"درحقیقت، ایسا دیکھا تو گیا ہے، مگر کم" مرکری نے کہا۔

"ایسے شخص کو جونو کے ساتھ بات کرنیکا کیا حق حاصل ہے؟" جوو نے کہا" محض ایک فنا پذیر ہستی، ایک بدنصیب انسان! تم جیت گئے۔ مجھے اس شخص کے متعلق کتنا دھوکا ہوا ہے! میرے تمام فیاضانہ برتاؤ کے بعد بھی وہ مجھے کھانے پر منتظر رکھے گا، کسکو یہ خیال ہو سکتا تھا؟"

"وہ اسوقت جونو کے ساتھ سیر میں مشغول تھا" گنی میڈ نے کہا۔

"انکا یہ کہنا کہ وہ دونوں اتفاقیہ ملگئے تھے، سب حیلہ جوئی تھی۔ خود کیوپڈ نے دونوں کو ساتھ دیکھا تھا۔

"ہاں؟" جوپیٹر نے کہا اور اسکا رنگ فق ہو گیا" کیا تم سچ کہتے ہو؟ یہ خلال ہوئی، چونکہ میں ایک دیوتا ہوں، میری بازی ہوئی۔ ملکہ کہاں ہے؟"

"ایکزیان سے باتیں کر رہی ہے" مرکری نے کہا" اوہو، معاف فرمایئے، میں یہ نہ سمجھتا تھا کہ آپکا مدعا اینٹ کی ملکہ سے تھا"

"کچھ مضائقہ نہیں۔ خلال بری ہوئی۔ اور مجھے کھانے پر منتظر رکھا گیا ہے! ایسے دن پر بھی لعنت! کیا ایکزیان سے واقعی جونو کے

ساتھ باتیں کر رہا ہے؟ یہ برداشت سے باہر ہے۔"

"جوتو کہاں ہے؟" جوپیٹر نے پھر دریافت کیا۔

"میں نہیں کہہ سکتی کہ وہ کہاں ہے" وینس نے ایک معنی تبسم کے ساتھ جواب دیا۔

"میں ہی نہیں جانتی کہ وہ کہاں ہے" منروا طعن آمیز لہجہ میں بولی۔

"ایکزیاں کدھر گیا؟" کیوپڈ نے کہا اور ایک سخت قہقہہ مارا۔

"مرکری! گنی میڈ! ملکہ کو فوراً تلاش کر کے لاؤ" آقائے خداوندان دعالمیان کی رعد آسا آواز صادر ہوئی۔

"آسمانی قاصد اور بہشتی خادم جداگانہ راستوں سے باہر نکل گئے۔ ایوان میں ایک ہیبتناک اور غیر فانی سکوت طاری تھا۔ جسطرح طوفان فراز کوہ سے نشیب اختیار کر لیتا ہے جوو کی پیشانی سے آثار غضب اُترنا شروع ہو گئے۔ وینس اور کیوپڈ پس پشت اپنی ہنسی کو ضبط کرنے کی سعی میں مصروف تھے۔ قاصد واپس آگئے مرکری نہایت متین بنا ہوا تھا، اور گنی میڈ نہایت جھلایا ہوا۔

"کیوں؟" جوو نے سوال کیا، اور تمام اہل مجلس ٹھہرا گئے۔ مرکری نے سر ہلا دیا۔

"ملکۂ عظمت پناہ، چاندنی پر شاہ تھسلی کے ساتھ چہل قدمی کر رہی تھیں۔ گنی میڈ نے جواب دیا کہ وہ اب کہاں ہے، جناب!" جوپیٹر نے حکم دیا۔

"مرکری نے اپنے شانوں کو جھٹکا دیا۔

"ملکۂ عظمت پناہ، کیوپڈ کی بارہ دری میں شاہ اٹلی کے ساتھ محو خواب ہے" گنی میڈ نے جواب میں کہا۔

"بتاہوں یہ!" آقائے خداوندان دعالمیان چلا اُٹھا،

تاش پھینک دئے اور کھڑا ہو کر میز پر سے ایک شمع اُٹھا لی۔ ہر متنفس حاضر تھا منروا، وینس، مریخ، اپالو، مرکری، گنی میڈ، میوزیز اور گریسیس اور تمام بازوں والے جنات۔ ہر شخص کے ہاتھ میں ایک شمع تھی، اور یہ شمعدانوں سے مسلح جماعت جوپیٹر کے پیچھے پیچھے تھی۔

"یہ راستہ ہے" مرکری نے بتایا۔

"اس راستے سے" گنی میڈ نے کہا۔

"اس راستے سے، اس راستے سے" سارے گروہ نے دہرایا۔

"شرارت!" کیوپڈ نے خود بھی کہا "مجھے اب اپنے شکار کو بچانا فرض ہے" سب لوگ چاندنی پر پہنچے۔ آقائے خداوندان عالمیان ہر چند طیش اور عجلت میں تھا، لیکن قدم نہایت وقار کے ساتھ اُٹھا رہا تھا۔ رات نہایت صاف تھی، آسمانوں میں یہ ایک معمولی سی بات ہے۔ چونکہ ڈائنا یا تو کچھ علیل تھی یا کسی اور کام میں مصروف تھی اسلئے چاند نمودار نہ تھا۔ یہ مجمع بارہ دری کے سامنے پہنچ گیا۔

"تم کیا ہو؟" کیوپڈ نے ایک جن سے دریافت کیا، جسکی شمع اتفاقیہ گل ہو گئی تھی۔

"میں ایک سحاب ہوں" بازوؤں والے جن نے جواب دیا۔

"ایک سحاب! اوہ دا! اسی کی تو ضرورت تھی۔ بات یہ ہے کہ تم میری خاطر ایک دانشمندی کا کام کرو، اور کیوپڈ ہمیشہ تمہارا منت کش رہیگا۔ اچھے سحاب! فوراً اُڑ کر جاؤ اور سامنے والی بارہ دری کو بالکل ڈھک لو۔ گئے! سوال نہ کرو۔ نیز، بس یہی میرا کہنا ہے"

"بارہ دری پر تو مجھے کچھ کہر سا نظر آرہا ہے" وینس کہنے لگی۔

"آسمانوں میں کہر اور شام کے وقت!" منروا نے تعجب کیا۔

"نوکس (Nox) کہاں ہے؟ جوو نے پوچھا ہر کام غلط

ہو رہا ہے۔ آسمانوں میں کہر کسی نے سنا ہے؟

"مری شمع گل ہو گئی!" اپالو پکارا۔

"مری بھی گئی!" مریخ نے فوراً ہی کہا۔

"اور مری بھی۔ مری بھی۔ مری بھی" مرکری، گنی میڈ، مسوزیز اور گریسوں نے کہا۔

"سب شمعیں گل ہو گئیں؟ کیوپڈ کہنے لگا۔ "کہر ابھی خاصہ ہے مجھے تو بارہ دری نظر نہیں آتی" حالانکہ اُسے ہونا تو یہیں کہیں چاہئے" اور پھر اپنے خود ہی کہا "ہاں، ہاں! اب مجھے اپنے کاشانہ پر ہونا چاہیے۔ مجھے اندھیرے میں آنے جانے کی عادت بھی ہے۔ کسی کے پاؤں کی چاپ سنائی دے رہی ہے یہ یقیناً یہی قفل ہے۔ دروازہ تو کھل گیا مگر سحاب مجھ سے پہلے داخل ہو گیا۔ جونو! جونو!!" فدائے عشق آہستہ سے پکارا۔ "ہم سب پہنچ گئے ہیں۔ اب سحاب کے پردے میں اپنی آبرو بچا کر نکل جانے پر قناعت کر! جس طرح اکثر معصوم خواتین کرتی آئی ہیں: کہر اعنقریب صاف ہو جائے گا۔ دیکھو مطلع صاف ہو رہا ہے"

یہ غالباً ہماری ہی شمعوں کے انجرات ہوں گے" وینس کہنے لگی۔ کیونکہ کہر اصاف ہو گیا ہے۔ بارہ دری تو یہ رہی!" گنی میڈ سب سے پہلے دوڑا، اور دروازہ کو دھکا دے کر کھول دیا۔ وہاں ایکزیان تنہا سو رہا تھا۔ "اُسے گرفتار کر لو!" جوو نے حکم دیا۔

"جونو یہاں نہیں ہے" مرکری نے خوشامدانہ تنقیت کے طور پر لیکن مایوسانہ لہجہ میں کہا۔ "کچھ پروا نہیں!" جوو نے مکرر حکم دیا۔

"اسکو پکڑ لو، اسنے مجھے کھانے پر منتظر رکھا"

"ایجیشیس! کیا یہی آپ کی تواضع ہے؟"

ایکزیان نے معصومانہ تخریف آمیز لہجہ میں کہا "میں اپنی حفاظت کروں گا۔

"اس کو پکڑ لو! اس کو پکڑ لو!! جو پیٹر پکارا۔ "تم لوگ جھجکتے کیوں ہو؟ کیا تم فانی انسان سے ڈرتے ہو؟"

"اور ایک تھسلی والے سے؟ گنی میڈ نے شہ دی۔

کوئی آگے نہ بڑھا!

"ہرقلس کو بلاؤ!" جوو نے حکم دیا۔

"ابھی لایا" گنی میڈ نے جواب دیا۔

"مجھے اس پر اعتراض ہے" تھسلی کا بادشاہ کہنے لگا "مقدس ترین حقوق میں اس دخل دہی کے خلاف میں احتجاج کرتا ہوں"

"کھانے کی ساعت؟" جوو پکارا۔

"ایکزیان سے وجدانی گفتگو ہیکار ہے" وینس بولی "وہ انسان فاقدالحس ہوتے ہیں"

"وا۔ رات اُسی لئے ہے جو اُسکی تلاش کرے!" منروا نے کہا۔

"ہرقلس آگیا! ہرقلس آگیا!"

"اسکو پکڑ لو!" جوو نے ہرقلس کو حکم دیا۔ "اس آدمی کو پکڑ لو!" ایکزیان کی کوشش بیکار تھی۔ کیونکہ دیوتا ناقابل مقاومت اندفاع تھا۔

"جوو اعظم! کیا میں آپکے رعد و برق کو بھی بلا لاؤں؟" گنی میڈ نے دریافت کیا۔

"تعزیر و دام سے کم سزا دینا ایک دیوتا کے لئے غیر موزوں ہے" جوپیٹر نے انتہائے تبختر کے ساتھ کہا "اپالو! اپنی گاڑی کا ایک پہیہ لاؤ"

"مگر میں کل صبح کیا کرونگا" آفتاب کے دیوتا نے سوال کیا۔

"ایک اکلیل کا حکم جاری کر دو" جونو نے جواب میں کہا "اس گستاخ کو پہیہ سے باندھ دو اور برزخ تک اسیطرح لیجاؤ۔ اس کا دور دورہ ہی ہوگا"

"مگر باندھوں کس چیز سے" ہرقلس نے سوال کیا۔

"وینس کے کمربند سے" صاحب رعد و برق نے جواب دیا۔

"آخر یہ کیا معاملہ ہے" جونو نے بڑھ کر دریافت کیا

"میرے ہمراہ آؤ تم خود دیکھ لوگی" جوپیٹر نے جواب میں کہا۔

سب اُسکے پیچھے ہو لئے — تمام دیوتا، دیویاں، جنات اور ان سب کے درمیان ہیبت کا شوہر پہیہ سے بندھے ہوئے ایکزیاں کو اٹھائے لئے جا رہا تھا۔ لاجوردی زینہ سے اُتر کر جب یہ جلوس

(ماخوذ)

چاندنی پر پہونچ گیا اور ہرقلس اپنے بار کو اُٹھائے ہوئے تیار تھا کہ اک اشارۂ ابرو کے ساتھ، بیکس مگر بیباک انسان کو خلاء بسیط کی راہ سے عالم برزخ میں پھینکدے۔ ساری آسمانی آبادی اُسے گھیرے ہوئے جھانک رہی تھی، تاکہ اسکا تماشہ دیکھ سکے۔

یہ ایک عمدہ اخلاقی نتیجہ تھا اور غیر سادی تعلقات سے پیدا ہونیوالی مصیبت و شامت کا عمدہ منظر۔

"سماوی مستبد!" ایکزیاں بولا۔

دوسرے ہی لمحہ میں، جیسے ہی انہوں نے اپنے شکار کے آخری لفظ سُنے! تمام آوازیں خاموش تھیں۔ جونو! بحالت یاس، وینس اور منروا کے شانوں پر جھک گئی

"سماوی مستبد!" ایکزیاں نے پھر کہا "میں تیری بیرحمی کا ہمیشہ مقابلہ کرونگا کیونکہ میرا حافظہ تیرے ظلم کیطرح غیر فانی ہے۔ وہی میرا سہارا ہوگا"

ل - احمد

غزل

بیکار تجھ کو اپنی عبادت پہ ناز ہے
اے شیخ بندگی سے خدا بے نیاز ہے

ہر ایک کو دیکھتا ہوں کہ شاید وہی نہ ہو
کیا شوق دید پیکر ہنگامہ ساز ہے

تفسیر حسن و عشق نگاہوں میں پھر گئی
یوں چشم نیمباز فسانہ طراز ہے

نظارہ کی ہوس ہے جو زاہد تو دیر چل
کعبہ میں تیرے صرف درِ توبہ باز ہے

بحرِ کرم سے گوہر مقصود کر عطا
ہم سُن کے آئے ہیں کہ تو بندہ نواز ہے

بشیر احمد ہاشمی ایم اے

مسائل علمیہ

گھڑی وقت کیوں بتاتی ہے

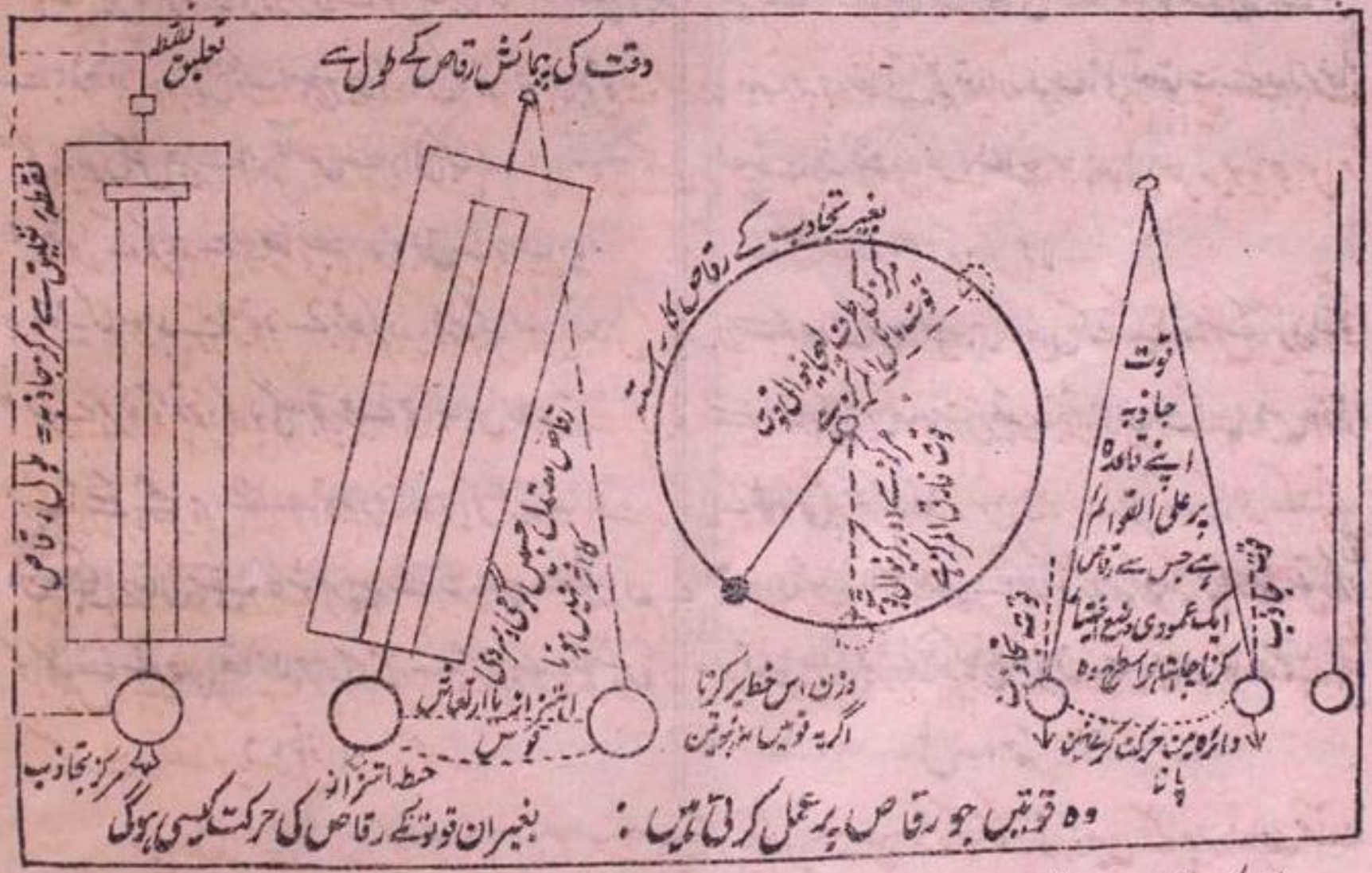
وقت کی پیمائش رقاص کے طول سے
تعلیق نقطہ
نقطہ تعلیق سے مرکز جاذبہ تک طول رقاص
بغیر تجاذب کے رقاص کا سکون
وزن اس خط پر کرتا
اگر یہ قوتیں نہ ہوتیں
خط امتزاز
مرکز تجاذب
پانا
وہ قوتیں جو رقاص پر عمل کرتی ہیں : بغیر ان قوتوں کے رقاص کی حرکت کیسی ہوگی

کیا کوئی گھڑیال یا گھڑی اس کے وقت بتلاتی ہے کہ اسمیں ایک کمانی ہوتی ہے، جسکو ایک خاص وقت کے بعد ایک خاص طریقہ پر کو کنا پڑتا ہے یا اسکا سبب یہ ہے کہ اسمیں ایک Regulator ہوتا ہے جس سے یہ خیال پیدا ہو سکتا ہے کہ اسکو تیز یا سست کی جانب حرکت دینے سے زیادہ صحیح نتیجہ پیدا ہو سکتا ہے یا یہ سبب ہے کہ گھڑیال میں ایک لنگر (رقاص) اور گھڑی میں ایک بال کمانی ہوتی ہے یا اسکا باعث وہ سوئی ہے جو ٹک ٹک کرتی ہے اور گھڑی کے گول رُخ پر ایک لاطائل سفر کرتی رہتی ہے؟ یقیناً ایسا کوئی عقلمند اور دانشور نہ ہوگا جسکو اچھی بڑی اور معمولی گھڑیوں سے سابقہ پڑا ہو اور وہ اس امر کا دعویٰ کرے کہ کسی گھڑیال یا گھڑی میں کوئی ایسی مرئی شے خواہ متحرک ہو یا ساکن موجود ہے جو براہ راست وقت بتلانے کا باعث ہے۔

گھڑی کا ہر وہ حصہ جسکا ہم نے نام لیا اور ہر وہ حصہ جسکا ذکر ہم نے نہیں کیا دونوں کو ہم نے بارہا اپنی اپنی جگہ اپنا اپنا مفوضہ کام انجام دیتے پایا ہے اس پر بھی گھڑی صحیح وقت نہیں بتاتی بہت سی ایسی مثالیں ہیں کہ ایسی سرکش گھڑیاں ماہرین فن کے

پاس بھیجی گئیں کہ ان کی سرکشی کا علاج ہو جائے اور ماہرین نے اُن پر تصرف بھی کیا، لیکن نتیجہ یہی نکلا کہ جب وہ اپنے مالکوں کے پاس واپس آئیں تو ان پر اعتبار اور اعتماد بجائے زیادہ ہونے کے گھٹ ہی گیا۔ ہم سے کہا جاتا ہے کہ ایک گھڑی کی ساخت بہت ہی نازک ہوتی ہے اور اکثر اس بات کے اقرار پر آمادہ نظر آئیں کہ واقعی گھڑی ایک بہت ہی نازک آلہ ہے۔

باوجودیکہ وقت بتلانے کے لیے گھڑی اس قدر محنت اور خرچ برداشت کرنا پڑتا ہے، تاہم ہم میں سے بہت کم ایسے لوگ ہونگے جو گھڑی کی صحیح نزاکت کا اندازہ رکھتے ہوں، یا جن گھڑی کی ساخت کا اصول معلوم ہو یا جو اس امر سے واقف ہوں کہ گھڑی کا اصل کام کیا ہے۔

ثانیوں، دقیقوں، ساعتوں، دنوں اور برسوں کا حساب و شمار ایک مصنوعی امر ہے نہیں رکھ سکتا اور مثل دیگر معاملات کے وقت کے معاملہ میں بھی تو انہیں فطرت کی اطاعت سے چارہ نہیں۔ مثال کے طور پر اگر ایک آدمی زمین کے چاروں طرف گھڑیاں برابر برابر رکھے تو اُسے ہر گھڑی کو مختلف وقت پر رکھنا ہوگا، تاکہ اس حصۂ زمین کے لیے جو ایک گھڑی کے نیچے آجاتا ہے وہ گھڑی قریب قریب صحیح وقت بتلا سکے۔ ہم نے "قریب قریب" کا استعمال قصداً کیا کیونکہ اگر ہم صحت مطلق کا لحاظ رکھیں جو یقیناً محال ہے، تو ہم کو گھڑی کے رخ کو سوئی کی نوک جیسے نقطوں میں تقسیم کرنا پڑیگا اور سورج کی حرکت کا حساب لگانے کے لیے یہ نقطہ گویا معدل النہار ہوگا۔

اسی نقطۂ معدل النہار کا شمار اس امر کا باعث ہے کہ پیرس، لندن، شکاگو، کلکتہ اور زمین کے چاروں طرف مختلف جگہوں میں گھنٹوں کا اختلاف ہو جاتا ہے۔ سورج، وقت کو دنوں، مہینوں اور برسوں میں تقسیم کرتا ہے اور انسان کی یہ کوشش رہتی ہے کہ دنوں کو گھنٹوں دقیقوں اور ثانیوں پر تقسیم کرے۔ یہ مہم ایسی سخت ثابت ہوئی کہ انسان کو اس میں کبھی کامیابی نصیب نہیں ہوئی، سبب صرف یہ کہ دن اور مہینے اور سال بھی مختلف طول کے ہوتے ہیں۔ صدی گھڑیاں ایک معیّن معدل النہار پر رکھی ہوتی ہیں اور اس معدل النہار پر سورج کی حرکت اسکو روز اندرست کرتی رہتی ہے، ایک حد تک ایسی گھڑیاں، مقامی رقبوں اور آس پاس کے عرض البلد کے لیے معیار وقت ہوتی ہیں، لیکن، صدی حساب اور برقی صنعتوں کے استعمال سے ایک گھڑی خود بخود ایک ہی معدل النہار میں تمام گھڑیوں کو درست رکھ سکتی ہے۔ چنانچہ نیویارک میں گھڑیاں ٹھیک بارہ بجے دوپہر کو واشنگٹن سے درست ہوتی ہیں۔

جب کوئی گھڑی بگڑ جاتی ہے تو ہم اسکو ایک گھڑی ساز کے پاس لے جاتے ہیں اور پہلا کام وہ یہ کرتا ہے کہ اسکو چالو کردے، پھر بہت غور سے اسکی ٹک ٹک کی آواز سنتا ہے اور اسکو سننا بھی چاہیے کیونکہ کسی گھڑی میں خواہ کیسے ہی بیش بہا جواہرات کیوں

نہ لگے ہوں، وہ بہ حیثیت آلۂ وقت کے بیکار رہے جب تک اسکی یہ ٹک ٹک صحیح نہ ہو، ہر پہیہ، پیچ، بیرم، کمانی یا اور کوئی حصہ جو اس میں موجود رہتا ہے ان سب کا منشا یہ ہے کہ یہ ٹک ٹک یکساں اور صحیح رہے پس یہ ٹک ٹک کا نتیجہ ہے کہ گھڑی وقت بتلاتی ہے، بال کمانی کا ادھر اُدھر حرکت کرنا دو قوتوں کا پتہ دیتا ہے، ایک تو قوت تجاذب اور دوسری قوت فارق المرکز، بغیر انکے گھڑی چل بھی نہیں سکتی۔

ٹک ٹک وہ آواز ہے جو لنگر یا رقاص کی گرفت کے Escapement (پہیے) کے ہٹ جانے سے پیدا ہوتی ہے لیکن اسکا سبب دراصل اجسام معلقہ کی طبعی اہتزازی حرکت ہے۔ جامعہ قرطبہ کے علامہ ابن یونس کو اس اہتزازی حرکت کا علم تھا۔ چنانچہ اسکی توضیح کے لیے انھوں نے ۱۰۰۰ء میں پہلا آلہ ایجاد کیا، اسی آلہ کا نام رقاص ہے، اسی کی ادھر کی حرکت کو ارتعاش یا اہتزاز کہتے ہیں، گربرٹ جو علامہ کا رفیق تھا اس نے رقاص کو حرکت میں رکھنے کے لیے سب سے پہلا (پہیہ) ایجاد کیا، اس صورت میں اس آلہ کو اجسام معلق کی طبعی ارتعاشی حرکت کی توضیح کیلئے استعمال کیا جاتا تھا جب گیلیلیو نامی ایک نوجوان نے پیسا کے صومعہ میں یہ مشاہدہ کیا کہ صومعہ کی بلندی ان فانوسوں اور جھاڑوں کے ارتعاشات سے معلوم کیجاسکتی ہے جو اس میں مختلف ارتفاع پر آویزاں تھے، اس وقت لوگوں کے ذہن میں یہ شبہہ گذرا کہ رقاص بھی پیمائش کرنیکی ایک خاص قابلیت رکھتا ہے۔ چنانچہ گیلیلیو نے خود ہی ۱۵۸۱ء میں رقاص کو صحیح آلۂ پیمائش قرار دیا، گھڑیالوں میں تو اس کا استعمال ۱۳۶۴ء سے جاری تھا لیکن معلوم ہوتا تھا کہ اس کی اصلی اہمیت سے لوگ واقف نہ تھے، لیکن ۱۶۱۲ء میں اسکا استعمال پہیوں کے ساتھ ہوا۔ چنانچہ اس وقت سے آج تک اسی پر عمل ہے۔

وقت پیمائی میں تو فی زمانہ رقاص بہترین اور کامل ترین آلہ ہے، ہی گھڑیال کا وہ جزء ہے جو وقت کی پیمائش کرتا ہے گھڑیال کے جتنے بقیہ اجزاء ہیں وہ یا تو اس کی حرکت کو قائم رکھنے کیلئے ہیں یا ایک سفید لوح پر اس کے ارتعاش کی تعداد بتلانے کے لیے، وہ ایک منٹ میں تیس مرتبہ ادھر اُدھر ایک پوری قوس میں حرکت کرتا ہے، لیکن ہر دو اہتزاز کے ختم پر Scape wheel کو ایک ہی دندانہ بڑھنے دیتا ہے۔ اور اس طرح لوح پر ثانیہ کی سوئی کے ذریعہ سے ۶۰ ثانیہ بتلاتا ہے اس سے پھر منٹ پیدا ہوتے ہیں اور اس سے گھنٹے اور اسی طرح گھڑی اپنا سفر طے کرتی رہتی ہے۔

ایک شبہہ کا ازالہ

"ایک پونڈ کی اہلیت" کے عنوان سے جو مضمون نومبر کے نگار میں شائع ہوا ہے اسمیں ایک شبہہ پیدا ہو سکتا ہے جسے میں دور کرنا چاہتا ہوں۔ وہ شبہہ یہ ہے: مضمون میں یہ دکھلایا گیا ہے کہ کلیۂ تجاذب کی رو سے دو اجسام میں قوت تجاذب (اور اسلئے وزن بھی) دونوں جسموں کے درمیانی فاصلے

کے سر بعے کے بالعکس متناسب ہوتا ہے، وزن کی حالت میں فاصلہ سے مراد وہ فاصلہ ہے جو مرکز زمین اور جسم کے درمیان پایا جاتا ہے، مضمون میں یہ بھی ذکر ہے کہ مرکز زمین پر وزن کچھ نہ رہے گا اور اس سے یہ بھی مترشح ہوتا ہے کہ جیسے جیسے ہم زمین کی طرف بڑھتے جائیں گے اور زمین کا حصہ چھوڑتے جائینگے اسی لحاظ سے وزن کم ہوتا جائیگا۔ بادی النظر میں یہ بات بدیہی معلوم ہوتی ہے کیونکہ جیسے جیسے ہم مرکز زمین سے نزدیک ہوتے جاتے ہیں ہم اپنے پیچھے بہت کچھ زمین چھوڑتے بھی جاتے ہیں اور اس حصہ زمین کی کشش ہمارے سامنے والی بقیہ زمین کی کشش سے زیادہ پس مرکز کے قریب وزن کم ہونا چاہئے اور سطح زمین پر سب سے زیادہ، حالانکہ یہ کلیہ کے خلاف ہے اسکا جواب یہ ہے کہ یہ شبہہ اس وقت زائل ہو جاتا ہے جب ہم کلیہ تجاذب کو صحیح صحیح اور پورا پورا بیان کریں۔ کلیہ میں یہ بتلایا گیا ہے کہ تجاذب، درمیانی فصل کے مربع کے بالعکس متناسب ہے، اس تناسب کو ہر حالت میں صحیح تصور کیا جاتا ہے حالانکہ یہ صرف اس حالت کے لئے ہے اور اسی حالت کا اس میں لحاظ بھی رکھا جاتا ہے جبکہ ہر دو جسم ایک دوسرے سے خارج ہوں، کلیہ تجاذب کے بیان کرنے میں اگر اس کا لحاظ رکھا جائے تو شبہہ پیدا ہونے کا احتمال نہیں رہتا۔

اصل یہ ہے کہ اس کلیہ کی بنیاد اس مفروضہ پر ہے کہ کسی جسم کا تجاذبی اثر اس کے لئے بے شمار ذرات کے اثرات کا مجموعہ ہے اس میں ایک اور مفروضہ ہے وہ یہ کہ ان سب ذرات کا اثر ایسا ہی ہے جیسے کہ سب ذرات کو ملا کر ایک بڑا ذرہ بنا لیا ہو اور اس کو مرکز پر رکھدیا ہو۔ ایسی صورت میں کلیہ تجاذب عیاں ہے لیکن جب ایک جسم دوسرے کے اندر ہو تو مذکورہ بالا دوسرا مفروضہ نہیں مانا جا سکتا۔ ایسی صورت میں مختلف ذرات کے اثرات کا مجموعہ اس اثر سے مختلف ہوگا جو مرکز پر رکھے ہوئے ذرہ کا ہے۔

جو جسم ایک دوسرے سے علیحدہ ہوتے ہیں ان کے لئے تو تجاذب فاصلہ کے مربع کا بالعکس تناسب ہے لیکن جب ایک جسم دوسرے کے اندر ہو تو تجاذب فاصلہ کے ساتھ بجائے گھٹنے کے بڑھتا ہے، اس کا ثبوت احصار (calculus)[1] کے ذریعہ سے بہت آسان ہے اور یہ دکھلایا جا سکتا ہے کہ ایسی صورت میں تجاذب ہر دو اجسام کے مراکزوں کے فاصلہ کے تناسب سے ہوتا ہے، کلیہ کے تجاذب کو تمامہ بیان کرنے کے لئے ان ہر دو صورتوں کا ذکر کرنا ضروری ہے اور پھر اس حالت میں کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا۔

نصیر احمد عثمانی۔ ایم اے

نذر نگار

ہوش و حواس کھو دے سرگرم ناز ہو جا　　او بے نیاز ہستی، ہستی نواز ہو جا
پنہاں رہیگا کب تک اے ناشنیدہ نغمے　　عالم کو مرتعش کر، بیدل ساز ہو جا

مجنوں

[1] ریاضی کی ایک اعلیٰ شاخ ہے، جسے عربی میں "التفاضل و التکامل" کہتے ہیں۔ (اڈیٹر)

مجرموں کی اصطلاحات

ایک دن صبح کو کوئی جوان عمر کا آدمی آہستہ آہستہ مونٹی کارلو کی سڑک پر ٹہل رہا تھا کہ ایک ہوٹل کی دیوار پر اسنے یہ نشانات دیکھے :-

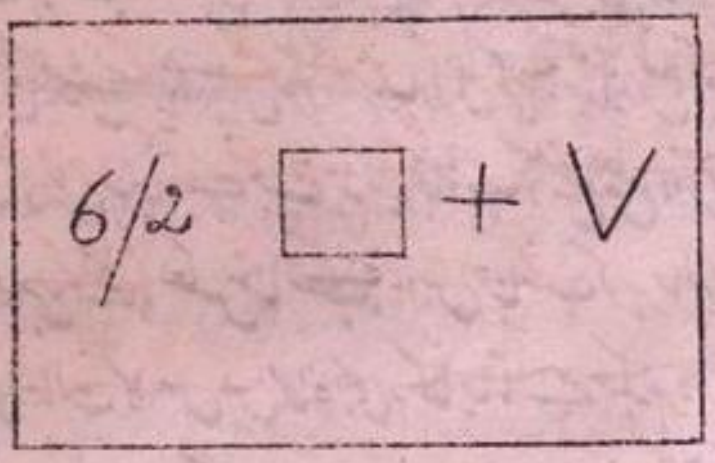

اس شخص نے اسی وقت پولیس کے سپاہی کو طلب کیا اور پوچھا کہ اِن نشانات کا کیا مفہوم ہے۔ سپاہی نے حیرت سے اپنے شانوں کو جنبش دی گویا وہ خود چاہتا ہے کہ کوئی اس کا مطلب بتا دے۔ نوجوان نے کہا کہ "تم اس شہر کے محافظ ہو جہاں بڑے بڑے مجرم آتے جاتے رہتے ہیں اور تمھیں خبر نہیں کہ ان علامات کا کیا مطلب ہے۔ تعجب ہے"۔ جب سپاہی نے التجا کی تو اس نے بتایا کہ یہ نشانات مجرموں کے ہیں۔ 6/2 سے مراد یہ ہے کہ (6) کو دوبار لکھا ہوا سمجھو یعنی (66)۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہوٹل کے کمرہ نمبر (66) میں کوئی جرم کیا گیا ہے اور اُس جرم کی نوعیت مربع کے نشان □ سے معلوم ہوتی ہے اور وہ یہ کہ نوٹ چرائے گئے ہیں صلیب + سے اس وقت و اشکال ظاہر کیا گیا ہے جو لوٹوں کے حصول میں لاحق ہوئیں اور یہ نشان V دستخط ہیں اس چور کے جس نے یہ جرم کیا ہے۔

پولیس کا آدمی یہ سُنکر گھبرا گیا اور فوراً اپنے چند ساتھیوں کو لیکر کمرہ نمبر (66) میں گیا۔ یہاں امریکہ کے دو سیاح ٹھیرے ہوئے تھے، جو پولیس والوں کو دیکھ کر سخت متحیر ہوئے۔ لیکن جب اُنھیں پوری تفصیل معلوم ہوئی اور انھوں نے اپنے صندوقوں کو دیکھا تو معلوم ہوا کہ واقعی نوٹ غائب تھے اور قفل ٹوٹا ہوا تھا۔

قرون وسطےٰ میں بھی مجرموں کے خاص نشانات مقرر تھے اور رفتہ رفتہ یہ رموز اسقدر فراہم ہو گئے کہ اب اُنکا پورا ایک لغت تیار ہو سکتا ہے۔ پندرہویں صدی میں ایک کلیسہ کی دیوار پر یہ نشانات دیکھے گئے :-

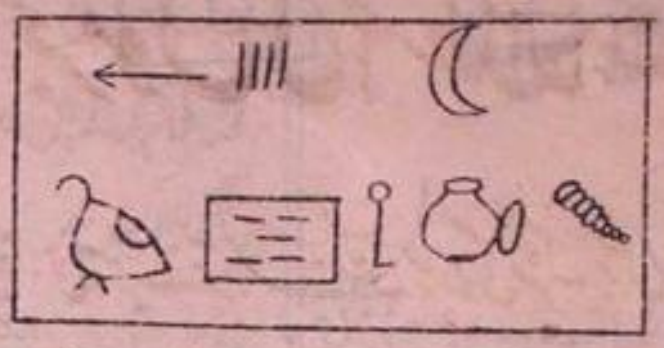

پہلی سطر کا مقصود یہ تھا کہ جب چاند مہینہ کے چوتھے حصہ میں آجائے تو تیر کی سمت میں کلیسہ سے جو تھا مکان شمار کر کے اس میں چوری کی جائے۔ گویا مجرموں کے لئے اعلان تھا کہ جس کا جی چاہے ایسا کرے، چنانچہ مختلف چوروں نے اس پر عمل کیا اور اپنی اپنی جماعت کے نشانات اس کے نیچے بنا دئے۔

فرانس میں مجرموں کا ایک گروہ تھا جو "سفید بھیڑیے" کے نام سے موسوم تھا اور کلیساؤں میں چوری کیا کرتا تھا۔ ایک دن کسی گانوں میں پولیس کو یہ نشانات نظر آئے:-

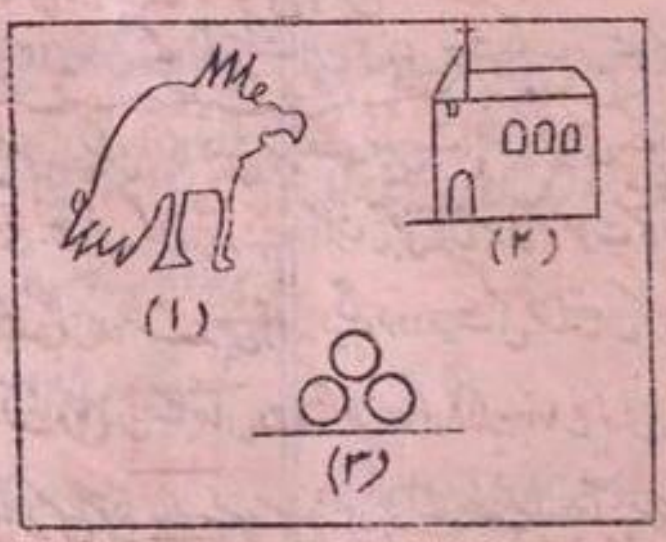

اس کا فوٹو لیا گیا اور اصطلاحات مجرمین جاننے والوں کے پاس بھیجا گیا۔ ان میں سے ایک نے بتایا کہ شکل نمبر (۱) توتے کی ہے، جو ایک مخصوص جماعت سارقین کے سردار کا نشانِ فرمان ہے۔ شکل نمبر (۲) کلیسہ کی ہے، جس سے یہ مقصود یہ حکم دینا ہے کہ یہاں چوری کی جائے۔ شکل نمبر (۳) میں تین پتھر بجا رکھ کر ظاہر کیا گیا ہے کہ چوری اس دن کی جائے جب فرنیس اسطفانوس پر پتھر پھینکے گئے تھے اور وہ دن ۲۶ دسمبر کا تھا۔

امریکہ میں فقیروں اور سائلوں کے اسقدر کثیر علامات و اشارات ہیں کہ انکی ایک کتاب مرتب ہو سکتی ہے بھیک مانگنے والوں کی یہ جماعت اپنے تمام افراد کی بڑی اعانت کرتی ہے اور مختلف مکانوں پر اس جماعت کے افراد اپنے تجربات کے لحاظ سے مخصوص نشانات بنا دیتے ہیں تاکہ انکی جماعت کا دوسرا شخص جو اس طرف سے گزرے پورے حال سے آگاہ ہو جائے اور معلوم کرلے کہ کہاں کامیابی ہو سکتی ہے اور کہاں نہیں۔ ذیل میں چند نشانات درج کئے جاتے ہیں:-

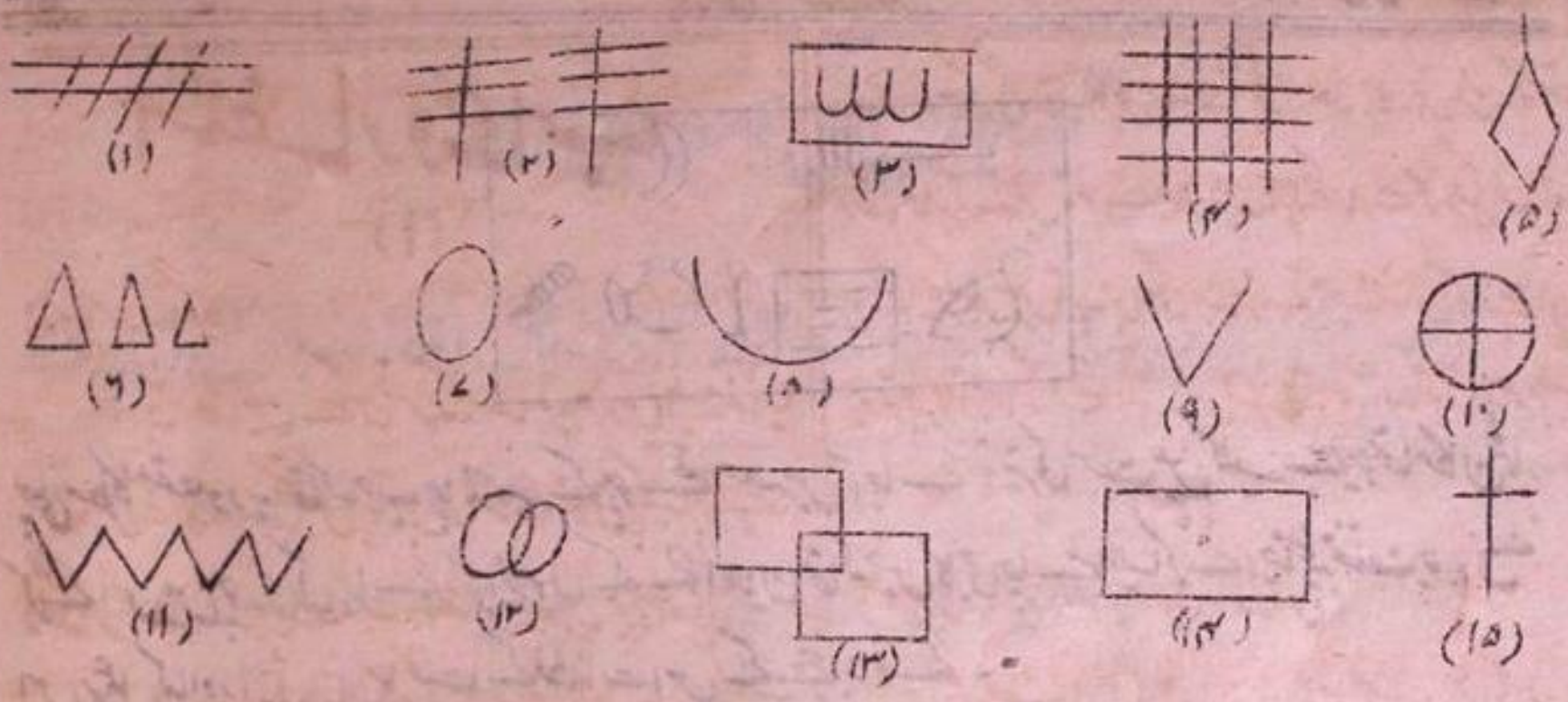

انکا مطلب ترتیب وار ہے:- (۱) یہاں کوئی جرم وقوع میں آیا ہے (۲) یہاں پولیس رہتی ہے (۳) یہاں کے لوگ نہایت سخت ہیں اور ان کے پاس کمانیں بھی ہے (۴) قید سے بچو (۵) یہاں جانے سے احتراز کرو (۶) یہاں صرف ایک عورت مع اپنی خاوند کے رہتی ہے (۷) یہاں فائدہ کی کوئی توقع نہیں (۸) یہاں سونا مکمن ہے (۹) یہاں کے آدمی غیروں پر احسان کرتے ہیں (۱۰) یہاں کھانا ملتا ہے (۱۱) یہاں کتا رہتا ہے (۱۲) بار بار مانگو (۱۳) مکان والو کو آسانی سے ڈرا سکتے ہیں (۱۴) یہاں کے لوگ سخت ہیں (۱۵) بہت انکسار سے کام لو (۱۶) یہاں مال ملتا ہے۔

یورپ میں جپسی اقوام کی بھی خاص خاص علامات ہیں، لیکن انکا تعلق تحریر سے نہیں ہے، مثلاً اگر ان کے قافلہ میں سے کوئی شخص اپنی گاڑی کے آگے درخت کی خشک شاخ ڈالدیگا تو معلوم ہوگا کہ اس کے ہاں کوئی بیمار ہے۔ اگر شاخ جلی ہوئی ہوئی تو موت کا اظہار ہوگا اور سبز شاخ ولادت کو ظاہر کریگی۔ اگر برادری کو دعوت دینا مقصود ہوگی تو کھال کا ایک ٹکڑا راستہ میں ڈالدینگے اور دعوت کی جگہ متعین کرنے کے لیے اس میں چوکھونٹے سوراخ کردیں گے جس سے معلوم ہوسکے گا کہ اتنے شہروں کے بعد وہ گاؤں ملیگا جہاں دعوت کیجائے گی۔ اگر یہ سوراخ گول ہوئے تو بیچ میں آنیوالے دیہات کا شمار ہوگا۔ ان کا قافلہ جب کسی طرف سے گزرتا ہے تو پیچھے آنے والے قافلہ کے لئے راستہ میں کچھ نشانات چھوڑ جاتا ہے، جس سے سمت سفر معلوم ہوجاتی ہے۔

یورپ کے مشہور ناول نویس کنن ڈایل نے بھی بعض مقامات پر مجرموں کے رموز بتائے ہیں، جن میں زیادہ دلچسپ وہ ہیں جن میں رقص کرتے ہوئے آدمیوں کی حالت دکھائی جاتی حالانکہ اُن میں سے ہر آدمی کی تصویر حقیقتاً انگریزی کا ایک حرف ہے۔ مثلاً:-

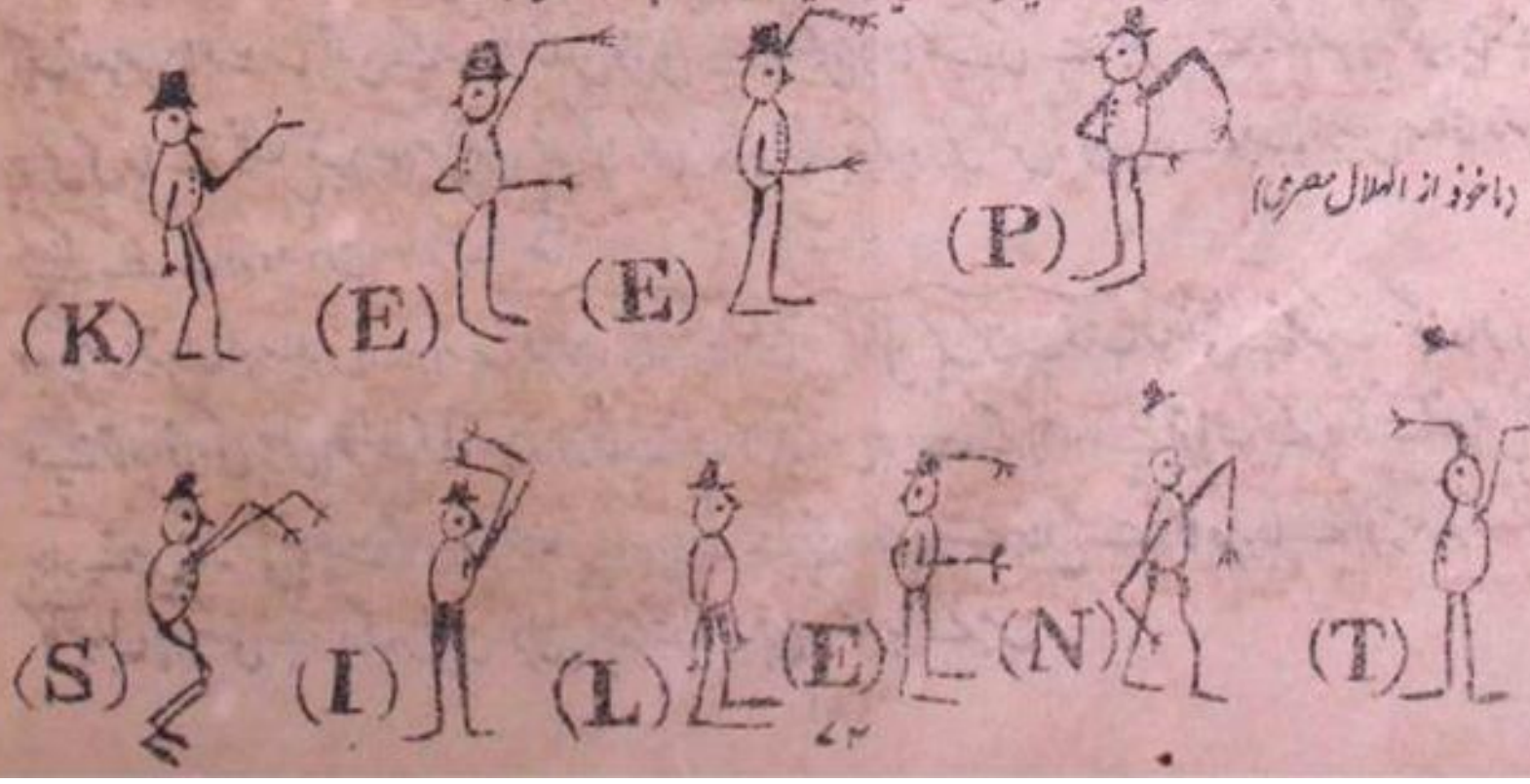

(ماخوذ از الہلال مصری)

استفسار و جواب

(۱)

(زبیر احمد۔ آگرہ)

ادبی مضامین سے کس قسم کے مضامین مراد ہیں، ایسے مضامین سے سوسایٹی کے کن مقاصد کی تکمیل ہوتی ہے اور انکا اثر اخلاق پر کیسا پڑتا ہے۔

(نگار) ادبی مضامین سے صرف وہ مضامین مراد ہیں، جو بواسطہ یا بلاواسطہ صرف لٹریچر (زبان) میں کوئی اضافہ کرسکیں، اسلئے اگر نفسِ ادبی اور نفسِ قومی لازم و ملزوم ہیں جیسا کہ آجکل اکثر اجتماعیین کا دعوے ہے، تو پھر سوسایٹی کا وہ کونسا مقصد ہے جو ایسے مضامین سے پورا نہیں ہوسکتا رہا انکا اثر اخلاق پر، سو اسکے جواب میں آسکر وائلڈ کے اس قول کو پیش کرتا ہوں کہ کسی کتاب کے متعلق یہ کہنا کہ وہ مفید اخلاق ہے یا مخرب اخلاق، انوسی بات ہے، جسکی نسبت صرف یہ تنقید ہونی چاہیئے کہ وہ اچھی لکھی گئی ہے یا بری"

(۲)

(محمد مبارک شاہ جیلانی۔ بہاولپور)

نگار میں ایک بسیط مضمون فنونِ لطیفہ کے متعلق تحریر فرمایئے اور ہر ممکن طریق پر اسکے تمام اصناف سے بحث کرکے (اگر ہوسکے تو) اعلیٰ تصاویر سے مزین کیجیے، کیونکہ ہم جیسے بعض اصحاب ایسے ہیں جو اس فن میں کچھ معلومات رکھتے ہیں۔

(نگار) آپ کی فرمائش اسقدر سخت لیکن اسی کے ساتھ اسقدر جذبہ دلچسپی کہ بقول غالب گویم مشکل ورنہ گویم مشکل، کا عذر پیش کرنے پر مجبور ہوتا ہوں۔ "فنونِ لطیفہ" اسقدر وسیع المطالب اور متنوع المسایل موضوع ہے کہ نگار کے صفحات اسکے مقابلہ میں وہی حیثیت رکھتے ہیں جو حیثیت حسنِ لسبیار" کے روبرو "نگہ کی تنگ دامانی" کو حاصل ہے، تاہم یہ اہم مقصد ہمارے پیش نظر ہے، اور انشاء اللہ ایک وقت ایسا آئیگا کہ آپکی (بلکہ خود اپنی) یہ خواہش پوری ہوسکے گی۔ آپ اپنی نسبت "کچھ" معلومات اس فن کے متعلق رکھنا ظاہر کرتے ہیں۔ میرے خیال میں آپ انکسار سے کام لیکر ایسا فرماتے ہونگے، پھر کیوں نہیں آپ ہی اسکی ابتدا فرماتے؟ جب انسان کو اپنے اوپر اعتماد ہو تو غیر کا آزمانا غالب کے فلسفہ میں ممنوع آیا ہے۔ آپ کو شاید معلوم نہیں۔

(۳)

(شیخ جی طاہر۔ دھولیہ مغربی خاندیس)

براہ کرم مطلع فرمائیے کہ فی زمانہ دنیا میں بیسیوں طرح کی بولیاں بولی جاتی ہیں۔ حضرت آدم تو ایک ہی زبان استعمال کرتے تھے، پھر کیوں تمام عالم میں ایک ہی زبان نہ رہی۔

(نگار) معلوم نہیں آپنے ان بیسیوں طرح کی بولیوں میں، طیور و حیوانات کا بھی لحاظ رکھا ہے یا نہیں۔ غالباً آپکا خیال ان غریبوں کی طرف مبذول نہیں ہوا ورنہ بجائے بیسیوں کے آپ سیکڑوں ہزاروں تحریر فرماتے۔ بہرحال آپ کا سوال اس حد تک یقیناً اہم ہے کہ میں اسکو نگار میں درج کئے دیتا ہوں، خواہ اسکا جواب مجھ سے دیا جاسکے یا نہ دیا جاسکے۔

زیادہ مناسب ہوتا اگر آپ یہ بھی تعیین فرمادیتے کہ حضرت آدم کونسی زبان استعمال کرتے تھے اور وہ کیونکر عالم وجود میں آئی تاکہ جو اسباب اُس زبان کے پیدا ہونے کے آپ ظاہر فرماتے، وہی اور تمام زبانوں کی تخلیق کا باعث قرار دیدیے جاتے۔

(۴)

(سید مبارک علی۔ حیدر آباد)

ترانہ نکتہ لعل است در لباس حریر + شدست قطرۂ خونِ منت گریباں گیر

اس شعر کے متعلق (منجملہ دیگر اشعار کے) بعض لوگوں نے اور شاید ناظر الحسن صاحب ہوش بلگرامی نے بھی اپنی کتاب بدیہہ گوئی میں تحریر کیا ہے،

کہ نورجہاں کا ہے، جس نے ایک دن جہانگیر کو حریر کے لباس میں لال کے تکمے لگائے ہوئے دیکھ کر بیساختہ موزوں کر دیا تھا۔ آپ کی کیا رائے ہے؟

(نگار) اس وقت میرے سامنے ہوش صاحب کی کتاب موجود نہیں ہے تاہم وہ ہوش صاحب ہوں یا کوئی اور، اگر اس شعر کو نورجہاں سے منسوب کرتے ہیں تو سخت غلطی کے مرتکب ہوتے ہیں۔ یہ شعر بنائی ہروی کا ہے جو علی شیر اور سلطان احمد میرزا کا مداح گو تھا۔ اسکے زمانہ کو نورجہاں کے زمانہ سے کیا نسبت اس شاعر کو اس نوع کی تشبیہ دینے کا خاص ذوق حاصل تھا، چنانچہ اس کا ایک شعر اسی قسم کا ہے:۔

در چمن گریہ کناں بے گل رویت بودم ✤ ماند در سینہ چو گل ناخن خونآلودم

بعض بعض شعر اس نے معاملات کے بھی اچھے لکھے ہیں مثلاً

سخنے سازم و رہ جانب کویش نگشم ✤ تا بتقریب سخن چشم برویش نگشم

(۵)

(سید وصی الحسن۔ مبارک پور)

فن کاغذ سازی کس ملک کی ایجاد ہے، دنیا میں کب سے اسکا رواج ہوا اور کیونکر موجودہ دور اتقار تک پہنچا۔ میرے ایک مغرب پرست دوست کا خیال ہے کہ کاغذ بھی یورپ ہی کی اختراع ہے، لیکن چونکہ مجھے اس کی تاریخ سے آگاہی نہیں ہے، اس لئے انھیں کوئی مسکت جواب نہیں دے سکتا۔ کیا آپ براہ کرم اس باب میں میری مدد فرما سکتے ہیں۔ خدا کرے کہیں آپ بھی یہی نہ کہہ دیں کہ ہاں یورپ ہی نے اس کو ایجاد کیا ہے۔

(نگار) نہیں، آپ مطمئن رہئے، میں یہ کبھی نہ کہونگا کہ یورپ کو اس فن کے ایجاد کا فخر حاصل ہے، لیکن مشکل یہ ہے کہ موضوع تفصیل کا محتاج ہے اور استفسار و جواب کے سلسلہ میں شاید میں پوری تسکین آپ کی نہیں کر سکتا۔ تاہم تعمیل ارشاد میں ایک نہایت ہی اجمالی نظر اس مسئلہ پر ڈالتا ہوں:۔

یہ امر تو بالکل یقینی ہے کہ کاغذ سازی مشرق کی اختراع ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ مشرق کے کس ملک یا کس قوم کو اولیت کا فخر حاصل ہے۔ اہل چین مدعی ہیں کہ اس کے مخترع وہ ہیں، اہل عرب کا دعوے ہیں کہ یہ اُن کی ایجاد ہے لیکن حقیقت یہی ہے کہ اس باب میں چینیوں کو تفوق حاصل ہے۔

چین میں نہایت قدیم زمانہ سے یہ صنعت رائج تھی اور وہاں سے منتقل ہو کر سمرقند میں گئی۔ جب مسلمانوں نے سمرقند کو فتح کیا تو اسیران جنگ میں سے بعض چینی لوگ بھی تھے جو فن کاغذ سازی سے واقف تھے اور اس طرح اول اول مسلمانوں نے کاغذ بنانا سیکھا اس وقت تک تمام بلاد یورپ میں چمڑے پر لکھنے کا رواج پایا جاتا تھا اور عرب میں بھی یہی کیفیت تھی، لیکن جب اہل عرب نے کاغذ بنانا سیکھ لیا تو انھوں نے چمڑے پر لکھنا ترک کر دیا اور اس بات میں یقیناً عربوں کو امتیاز حاصل ہے۔

جس وقت اسلامی تہذیب ترقی پر تھی، اس وقت تمام بلاد اسلامی (مثلاً تمامہ صنعا، بغداد، قاہرہ، دمشق) میں بڑے بڑے کارخانے کاغذ سازی کے قدیم تھے اور نہایت نفیس کاغذ تیار ہو کر تمام اطراف میں جاتا تھا، حتےٰ کہ مصر میں تو ایسا کاغذ بنتا تھا جیسا اس وقت باریک جھلی کی طرح چیزوں کے لپیٹنے کیلئے استعمال کیا جاتا ہے یورپ میں بھی یہی کاغذ رائج تھا چنانچہ Damascus (یعنی کاغذ دمشق) کا لفظ انکی زبان میں کاغذ کی ثبوت اس امر کا ہے، یورپ میں کاغذ سازی کا رواج بارھویں صدی عیسوی سے شروع ہوا ہے اور وہاں یہ فن اندلس سے گیا

جہاں شاطبہ، بسیطہ، طلیطلہ وغیرہ میں بڑے بڑے کاغذ خانے کاغذ کے قایم تھے

(۶)

(مشتاق الحسن خاں۔ اجمیر)

میرے پاس ایک تصویری کارڈ ہے، جسمیں تصویر کے نیچے Slave-market in Arabia (عرب کا بازار برده فروشی) درج ہے۔ اسمیں دو عریاں کنیزیں شرم آلود ادا کے ساتھ کھڑی ہیں۔ بیچنے والا انکے ہاتھ پکڑے ہوئے خریدار کو انکے حسین اعضاء دکھا رہا ہے اور مول لینے والے نہایت حریص نگاہوں سے انکی برہنگی کا تماشہ دیکھ رہے ہیں چونکہ اسمیں تمام تصویریں مسلمانوں کی معلوم ہوتی ہیں، اسلئے میں سمجھتا ہوں کہ یہ بھی یورپ کی شرارت ہے، جو مسلمانوں کی طرز معاشرت کو اسطرح رسوا کرنا چاہتا ہے۔ کیا آپکے نزدیک اسمیں کچھ واقعیت ہے، اور کیا ان تصویروں کو بالکل مصنوعی و فرضی نہیں کہہ سکتے؟

(نگار) تصویریں تو یقیناً فرضی و غیر حقیقی ہیں، لیکن جس منظر کو پیش کیا گیا ہے اسکے صحیح ہونے میں کوئی کلام نہیں، آپکے سوال کا جواب تو ختم ہو گیا لیکن چونکہ میرا جواب آپکے یقین و اعتقاد کے مخالف ہے، اسلئے آپ کی تسکین کے لئے ذرا تفصیل سے کلام لیتا ہوں۔

غلامی کا رواج اسقدر قدیم ہے کہ اگر اسکی ابتداء آغازِ عہد انسانی سے قرار دی جائے تو درست ہے، کیونکہ غلامی کی بنیاد قوی کا اپنی قوت محسوس کرنا ہے ضعیف کے مقابلہ میں اور اس احساس کی تاریخ نہایت قدیم ہے۔ عرب کے ایام جاہلیت میں غلام دو طرح کے ہوا کرتے تھے، ایک تو وہ جو جنگ میں ہاتھ آتے تھے اور دوسرے وہ جنھیں دوجوار کے بلاد سے خرید کرتے تھے عرب کے بازاروں میں دوسری جنسوں کی طرح غلاموں کی بھی خرید و فروخت ہوتی تھی، قمار بازی کے سلسلہ میں بعض لوگ دوسروں کے غلام ہو جاتے تھے اور بعض صورتوں میں مدیوں بھی اپنی آزادی سے دست بردار ہو جاتا تھا جب ظہور رسالت ہوا تو غلاموں کے ساتھ وہ مستبدانہ سلوک یک قلم موقوف ہو گیا اور انکی سطح اسقدر بلند کر دی گئی کہ انکے ساتھ نکاح کر لینا بھی معیوب نہ رہا۔ پھر اسی کے ساتھ یہ بھی حکم نافذ کیا گیا کہ صرف وہی لوگ غلام تصور کئے جائیں جو مسلمانوں سے جنگ کرتے ہیں یعنی نہ جزیہ دینا قبول کرتے ہیں اور نہ مسلمان ہوتے ہیں اور لونڈیوں کے ساتھ حسن سلوک کی سخت ہدایت کیگئی۔ الغرض اسلام نے انتہا کوشش کی کہ غلامی کا رواج معدوم ہو جائے اور عملاً اسمیں کامیابی بھی ہوئی کیونکہ غلاموں کے آزاد کرنیکا اجر بہت بڑا ظاہر کیا گیا تھا اور لوگ کثرت سے یہ اجر حاصل کرتے تھے چنانچہ تاریخ میں کثرت سے اسکی مثالیں موجود ہیں، جنکے اظہار کا یہ موقع نہیں۔

جب عہد سعادت اور خلافت راشدہ کے بعد وسعت حکومت کے ساتھ عیش و تنعم میں اضافہ ہوا، تو لونڈیوں یا کنیزوں کا مسئلہ زیادہ مہتم بالشان ہو گیا اور اس نے اسوقت کی سیاسات کو بہت متاثر کیا۔ عہد بنی امیہ و بنی عباس میں جب تمدن و حضارت اپنے انتہائی نقطۂ عروج پر پہونچ گئے، تو اکثر لوگوں نے اپنے رسوخ کا ذریعہ کنیزوں ہی کو بنایا اور خلفاء سے لیکر معمولی امراء تک کا مکان حسین و متنوع کنیزوں سے بھر گیا، چنانچہ خلیفہ متوکل کے پاس چار ہزار کنیزیں تھیں اور ہارون الرشید کے پاس دو ہزار جن میں تین سو موسیقی کی ماہر تھیں۔

ملک کے تاجر اور دوسرے لوگ کنیزوں کی تعلیم و تربیت میں ہزاروں روپیہ صرف کرتے تھے اور پھر لاکھوں کماتے تھے، چنانچہ بعض کنیزوں کی قیمت ایک ایک لاکھ اشرفی تک پہونچ جاتی تھی سلیمان بن عبدالملک (اموی) نے ایک کنیز کو جسکا نام زلفاء تھا ستر ہزار دینار میں مول لیا، جعفر برمکی نے ایک لونڈی کو چالیس ہزار دینار میں خریدا۔ امین نے جعفر بن ہادی سے کہا کہ اپنی کنیز جسکا نام بذل تھا مجھے دے اسنے انکار کیا، امین نے پھر اصرار کیا اور آخر کار دو کرور درہم میں مول لے لیا۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اس عہد میں کنیزوں کی کسقدر وقعت تھی اور نہ صرف بلحاظ حسن و جمال بلکہ باعتبار اپنی سیرت کے وہ کسقدر مکمل ہوتی تھیں۔ موسیقی نے نوازی، شعر گوئی تو نہایت معمولی صفت تھی، بلکہ اس سے بھی بڑھکر وہ بےمثل ادیب، بےنظیر نحوی و صرفی اور بے انتہا سیاست و تدبیر منزل ہوتی تھیں۔

اور یہی وجہ ہے کہ انھیں رشید اور معتصد ایسے خلفار کی ماں بننے کا فخر حاصل ہوا۔
چونکہ کنیزوں کی تجارت کرنا اسوقت کوئی عیب نہ تھا اور اسی کے ساتھ بے انتہا نفع کی بھی توقع ہوتی تھی، اسلئے تمام ممالک کی لونڈیاں بغداد کے بازار میں آتی تھیں اور علے الاعلان انکی خرید فروخت ہوتی تھی۔ یہانتک کہ اسکی تجارت ایک مستقل فن بن گیا اور اس موضوع پر متعدد کتابیں لکھی گئیں۔ ان لوگوں میں مشہور تھا کہ بلحاظ شرافت و نجابت کے فارس کی کنیزیں، خدمت کی غرض سے روم کی عورتیں، پکانے کیلئے حبش کی اور تربیت اطفال کیواسطے آرمینیا کی لونڈیاں مخصوص ہیں۔ جس کے باب میں انکا قول تھا کہ "الوجوہ فی الترک والاجسام فی الروم والعیون فی الحجاز والخصور فی الیمن"، صورت ترکنوں کی، بدن رومیوں کے آنکھیں حجاز کی عورتوں کی اور کمر یمن کی لڑکیوں کی۔

تاجر انھیں بازار میں لے جاتے تھے تو عریاں کر دیتے تھے اور جب خریدار جمع ہو جاتے تو وہ کنیز کی تعریف میں ایک خطبہ دیتا کہ یہ ایسی حسین ہے اور یہ ایسی فاضل ہر بار بھر اسی کے ساتھ آواز لگاتا کہ ہے کوئی جو اس دُر نایاب کی خواہش کرے یہ سنکر کسی طرف آواز آتی چار ہزار دینار، دوسرا کہتا پانچ ہزار، یہانتک کہ وہ اسی وقت بیش بہا رقم پر فروخت ہو جاتی۔ قدیم رسم کیطرح یہ بھی ہوتا کہ کنیز کو کسی بلند مقام یا پتھر پر عریاں کھڑا کر دیتے اور لوگوں کو عام اجازت ہوتی کہ وہ اسے دیکھیں، اپنے ہاتھ سے اسکے جسم کو مس کریں اس سے گفتگو کر کے ہر طرح اپنا اطمینان کر لیں۔ عرب میں پردہ و خوشی کا رواج ترکوں کے زمانہ میں بھی پایا جاتا تھا، لیکن جسوقت سے بین الاقوامی مفاہمت کی بنا پر اس کو ترک کر دیا گیا ہے، اسوقت سے بازاروں میں علانیہ کنیزوں کو لانا متروک ہو گیا ہے، لیکن خفیہ طور پر اب بھی انکی خرید و فروخت ہوتی ہے اور اسی عریانی کے ساتھ جس طرح پہلے کبھی پائی جاتی تھی۔ البتہ فرق یہ ہے کہ پہلے کنیزیں صورتاً دسیرتاً ایک چیز ہوتی تھیں اور اسی اعتبار سے انکی قیمتیں زیادہ ہوتی تھیں۔ لیکن اب ان کمل صفات کی لونڈیاں معدوم ہیں اور اسی لحاظ سے اُن کی قیمت مقرر ہوتی ہے

(۷)

(احمد اسماعیل۔ رنگ پور۔ بنگال)

کیا ہمارے نظام شمسی کا آفتاب تمام اجرام سماوی سے بڑا ہے؟ اگر دوسرے اجرام اس سے بڑے ہیں تو کتنے اور وہ اسوقت کس حالت میں کہاں پائے جاتے ہیں؟

(نگار) آپنے کائنات عالم کو اسقدر مختصر سمجھ لیا ہے کہ آفتاب سے زیادہ بڑا کرہ پایا جانا آپکو مستبعد نظر آتا ہے۔ خدا کی خدائی تو اسقدر وسیع ہے کہ اگر ہمارے نظام شمسی جیسے کروڑ نظام فنا ہو جائیں تو بھی اسکی آبادی میں کوئی کمی پیدا نہیں ہو سکتی۔ اسمیں شک نہیں کہ ہمارا آفتاب قدرت خداوندی کا معمولی مظہر نہیں ہے، لیکن دیگر اجرام سماوی کے مقابلہ میں پھر بھی وہ بہت حقیر

مونٹ ولسن کی رصدگاہ میں ایک نہایت قوی دوربین کے ذریعہ سے حال ہی میں مسٹر پیرس نے فضار عالم کے اندر بٹلجیس (Betelgeuse) اور انٹارس (Antares) دو آفتاب اور دریافت کئے ہیں جنکا قطر علی الترتیب اکیس کروڑ پچاس لاکھ اور اکیس کروڑ میل ہے۔ پھر بتائیے کہ آپکا آفتاب جسکا قطر صرف آٹھ لاکھ ۶۵ ہزار میل ہے اُن قاہر و قہار آفتابوں کے سامنے کیا حقیقت رکھتا ہے۔ انکے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ نہایت ہی لطیف گیس کی صورت میں پائے جاتے ہیں، اسقدر لطیف کہ اگر ہم چاہیں تو کر سکتے ہیں کہ وہ کچھ نہیں ہے۔ لیکن اس "کچھ نہیں" کے عظیم الشان مجموعہ کا یہ حال ہے کہ اگر اسکی روشنی ہماری زمین تک سفر کرنا شروع کرے، تو باوجود ایک لاکھ ۸۶ ہزار میل فی سکنڈ (سکنڈ!) رفتار رکھنے کے اوہ سیکڑوں سال کے بعد ہم تک پہونچ سکے گی۔ واقعہ یہ ہے کہ خدا کی عظمت و جبروت کا اندازہ کرنا بھی دشوار ہے اور اگر ہم اس کا علم کسی طرح حاصل کر سکتے ہیں تو صرف اپنے اعتراف عجز سے کہ ہمارے لئے اس سے زیادہ کھلی ہوئی حقیقت ثابتہ اور کوئی نہیں ہو سکتی۔

معلومات

دھوکا دینے کا اک نیا طریقہ ولایت میں چند قمار باز کسی جگہ بیٹھے ہوئے جوا کھیل رہے تھے اسی دوران میں ایک شخص نے اپنی جیب سے انگوٹھی نکالی، جسمیں نہایت قیمتی بڑا الماس جڑا ہوا تھا، لوگوں نے حیرت کا اظہار کیا تو اسنے کہا کہ یہ الماس مصنوعی ہے مگر انہوں نے کہا یہ غلط ہے ہم اسقدر نادان نہیں ہیں کہ اصلی اور نقلی الماس کو نہ پہچان سکیں، اس کی قیمت کم از کم چالیس ہزار فرانک ہے۔ انگوٹھی کے مالک نے کہا تم لوگ غلطی پر ہو، مجھ سے زیادہ تم اس انگوٹھی کے حال سے واقف نہیں ہو سکتے، یہ صرف بلور ہے۔ اسی اثنار میں کوئی بڑا دولت مند تاجر آگیا اور اسنے کہا کہ میں کسی جوہری کو دکھا کے بعد چالیس ہزار فرانک میں خرید لونگا۔ چنانچہ وہ انگوٹھی لیکر چلا گیا اور جوہری کو دکھانے کے بعد خریداری کا عزم کر لیا۔

جب وہ قیمت ادا کرنے لگا تو انگوٹھی کے مالک نے کہا کہ مجھے اسکے اندر سے دو بال نکال لینے دو، جنہیں بطور یادگار میں نے اسمیں محفوظ کر دیا تھا۔ دوسرے دن خریدار نے یہ انگوٹھی دوسرے جوہری کو دکھائی تو اسنے کہا کہ یہ الماس نہیں ہے بلکہ بلور ہے غور کرنے سے معلوم ہوا کہ جب بال نکالنے کے بہانہ سے اسنے اس انگوٹھی کو لیا تھا اسی وقت دوسری انگوٹھی بجائے پہلی کے بدل دی تھی۔ لیکن اب دعوے نہ ہو سکتا تھا کیونکہ اسنے بار بار صاف طور پر کہہ دیا تھا کہ اسکا نگ مصنوعی ہے۔

دنیا میں موٹروں کی تعداد اس وقت تمام دنیا میں (سوائے ایشیا کے) موٹروں کی تعداد حسب ذیل ہے:-

امریکہ	= ۱۰۵۰۵۶۶۰	ارجنٹاین	= ۷۵۰۰۰
انگلستان	= ۴۹۷۵۸۲	اٹلی	= ۵۳۰۰۰
کناڈا	= ۴۶۳۴۴۸	اسپین	= ۳۷۰۰۰
فرانس	= ۲۲۶۱۴۶	روس	= ۳۵۰۰۰
جرمنی	- ۹۱۳۸۴		

نقشہ بالا سے معلوم ہوتا ہے کہ امریکہ کے پاس سب سے زیادہ موٹریں یعنی فی صد ۸۲ موٹر اس کے پاس ہیں۔

منجمد مٹی کا تیل ڈاکٹر رین ہولڈ نے کسی کیمیای طریقہ سے مٹی کے تیل کو اس طرح منجمد کر دیا ہے کہ آسانی سے اس کے ٹکڑے جیب میں رکھے جا سکتے ہیں۔ پھر اختیار ہے کہ اسکو رقیق کر کے لمپ میں بھر دیا جائے یا خود اس ٹکڑے کو دیا سلائی سے روشن کر دیا جائے اس صورت میں اس کی حدت بمقدار ۱/۲ کے زیادہ ہوتی ہے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ موم بتیوں کا رواج اب کم ہو جائے گا اور عام طور سے اسی منجمد تیل کا استعمال ہونے لگیگا۔

مصر میں اک جدید انکشاف اثری | سرزمین مصر اور ارض بابل، زمانۂ دراز سے علماء آثار قدیمہ کی کوششوں کا جولانگاہ بنی ہوئی ہیں اور حقیقت سے انکار ہوگا، اگر یہ کہا جائے کہ اُن کے مساعی کامیاب نہیں ہوئے، اسوقت تک قدیم تاریخ، مصر و بابل کی جسقدر معلوم ہوئی ہے وہ انھیں شائقین علم کی کاوشوں کی ممنون ہے اور عجب نہیں وہ زمانہ قریب ہو جب مشرق قریب کا تمام تاریک حصہ تاریخ، علم کی پوری روشنی میں لے آیا جائے

لارڈ کارناروں اور مسٹر ہاورڈ کارٹر نے اپنی گزشتہ سولہ سال کی اثری زندگی کا نتیجہ حال ہی میں ایک ایسے غیر منکشف مکان کی دریافت سے پیش کیا ہے، جسے اس صدی کا بہترین اثری انکشاف کہہ سکتے ہیں۔ یہ مکان یا کمرہ قدیم سبا کی سرزمین میں رامسیس چہارم (چوتھا زعون) کے مقبرہ کے نیچے دریافت ہوا ہے، جو اب سے تین ہزار سال قبل تعمیر کیا گیا تھا اور جہاں شاہانہ شوکت و جبروت کی بہت سی علامتیں اب بھی پائی جاتی ہیں۔

اس مکان کے اندر متعدد کوچ جنیر ہاتھی دانت اور جواہرات کا کام بنے رکھے ہوئے ہیں اور کثرت سے ایسے صندوق پائے جاتے ہیں جن پر منظر شکار کی تصویر منقوش ہے۔ علاوہ انکے ایک عجیب و غریب تخت بھی یہاں موجود ہے اور ایک شاہی کرسی بھی ہے جو بر صحیح تر قائم ہے۔ اسوقت تک اشیاء کی پوری تفصیل معلوم نہیں ہو سکی ہے، لیکن فہرست مرتب ہو رہی ہے ممکن ہے کہ اسی سلسلہ میں بعض تحریرات یا نقوش ایسے بھی مل جائیں جو تاریخی حیثیت سے بے انتہا قابل قدر ہوں خیال کیا جاتا ہے کہ یہ مقبرہ مصر کے اٹھارویں حکمراں خاندان میں سے کسی بادشاہ کا ہے جسکی حکومت ملک سبا میں مابین ۱۵۸۰ء و ۱۳۵۰ء ق م پائی جاتی تھی۔

اعادۂ جوانی کا امکان | ایک زمانہ وہ تھا جب سکندر سا اولوالعزم بادشاہ باوجود خضر کی رہنمائی کے بھی آب حیات کی ایک گھونٹ کو ترستا ہوا چلا گیا اور دنیائے عشق و حسن میں ہمیشہ مرنے والے نے یہی شکایت کی کہ ؎ تیرے ایفا عہد تک نہ جیے۔ عمر نے ہم سے بیوفائی کی، یا اک زمانہ اب ہے کہ جسقدر جی چاہے گناہ کیجئے، ہر ممکن صورت سے جوانی کو خراب کیجئے اور پھر زندگی کا وہی ورق الٹ لیجئے جہاں سے آپنے اپنی پُر لذت زندگی شروع کی تھی۔ گویا گلستانِ حیات سے سوائے باب پنجم کے اور تمام ابواب محو کر دینے کی صورتیں پیدا ہو گئی ہیں۔ ہندوستان کے قدیم و دیدک طریقہ علاج میں کایا پلٹ بوٹی کے افسانے سنا کرتے تھے کہ کسی نے اتفاقاً جنگل کے کسی درخت کا پھل یا پھول کھا لیا اور اسکا بدن پھٹ کر ایک دوسرا حسین و نوجوان جسم اندر سے نمودار ہو گیا۔ لیکن اب یورپ نے ان تمام افسانوں کو حقیقت کر کے دکھایا ہے اور ثابت ہو گیا ہے کہ آب حیوان کے جس چشمہ تک پہونچنے کیلئے عہد قدیم میں قطب شمالی طرف خریص و طامع نگاہیں ڈالا کرتے تھے وہ بندر کی گلینڈ میں موجود ہے، البتہ فرق یہ ہے کہ ڈاکٹروں نے اسکا نام بدل کر ہتھارا یڈ گلانڈ (ایک قسم غدود کی) رکھدیا ہے۔

چند ماہ ہوئے جب اخبارات و رسایل میں یہ خبر دیکھی گئی تھی کہ فرانس کے کسی ڈاکٹر نے دعوے کیا ہے کہ انسان کی ضعیفی نام ہے صرف اسکے تھارائیڈ گلانڈ کے مضمحل ہو جانے کا، اس لئے اگر یہ غدود بدلدیا جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ انسان پھر ازسر نو جوان نہ ہو جائے چنانچہ وہ اسی خیال کو لیکر امریکہ گیا اور وہاں شاید چمپنیزی (بندر) کے غدود بعض ضعیف و معمر لوگوں کی کنپٹی میں داخل بھی کئے، لیکن اسکے بعد پھر کوئی خبر نہیں آئی کہ نتیجہ کیا ہوا۔

اب فرانس کے ایک ڈاکٹر ورونا ف (Voronoff) نے اس مسئلہ کو زیادہ یقین کی حد تک پہونچا دیا ہے، اور یورپ کی جدت پسند آبادی میں ہلچل مچی ہوئی ہے۔ اس ڈاکٹر نے لندن کے کسی باشندے پر بھی عمل کیا اور اس کے نتائج حیرتناک ثابت ہوئے۔ یہ شخص جسپر عمل جراحی کیا گیا حد درجہ ضعیف و ناتوان، بیکار و مضمحل تھا، لیکن اب وہ جوان ہے قوی ہے اور اپنی زندگی کو جو ستر اسی سال تک پہونچ چکی تھی، کھینچکر پھر بیس سال تک لے آیا ہے۔

فرانس کے ڈاکٹروں کی ایک جماعت نے اس طریق علاج اور اس شخص کا نہایت غایر مطالعہ کیا اور وہ بھی بالکل مطمئن ہیں کہ واقعی یہ جوانی عارضی نہیں ہے بلکہ تمام برکات کے لحاظ سے اُسے حقیقی شباب کہہ سکتے ہیں منشی امیر احمد امیر مینائی نے بڑی کاوش سے یہ مصرعہ پیدا کیا تھا کہ "چودہ برس کے سن میں وہ لاکھوں برس رہے" گویا خیالی دنیا میں بھی انھوں نے اپنے پندار کے مطابق بڑی نئی بات پیدا کی تھی۔ یہاں عملی و مادی دنیا میں بھی اسکا وقوع سب نے دیکھ لیا۔

قوتِ عمل کی پیمایش | برلن کے ایک ڈاکٹر نے جس کا نام ڈیر ہے ایسا آلہ ایجاد کیا ہے جس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ ایک انسان میں کسقدر عملی قوت پائی جاتی ہے۔ یہ آلہ جن اصول پر وضع کیا گیا ہے وہ نہایت آسانی سے سمجھ میں آسکتے ہیں کیونکہ انسان کی عملی قوت خون کی حرکت پر موقوف ہے یعنی جس شخص میں قوت عمل زیادہ ہوتی ہے اسکا قلب کثیر مقدار میں خون کو تمام عروق و شرائین کی طرف منتقل کرتا ہے اور جس کی یہ قوت ضعیف ہوتی ہے اس میں خون کا دوران بھی کم اور مضمحل ہوتا ہے جس شخص کا امتحان کرنا مقصود ہوتا ہے اس کا ہاتھ اس کے اندر ڈالدیا جاتا ہے اور تھوڑی دیر کے بعد آلہ قوت پیما سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ اس شخص کا دورانِ خون کس حد تک سریع ہے اور وہ دنیا میں اپنی قوت عمل کے لحاظ سے کسقدر کامیاب ہو سکتا ہے۔

جرمنی کی علمی ترقیاں | کسقدر حیرتناک امر ہے کہ وہی جرمنی جو اپنا سیاسی و اقتصادی اقتدار دنیا سے کھو چکا ہے جس کے سکہ کی اسوقت کوئی قیمت نہیں رہی اور جو جنگ کے اثرات سے بالکل تباہ و برباد تسلیم کیا جاتا ہے، تعلیمی نقطۂ نظر سے اب بھی اپنا جواب نہیں رکھتا اور کسی طرح وہاں کے اعداد و شمار کو دیکھ کر یہ یقین کرنے کو جی نہیں چاہتا کہ وہ اپنی کھوئی ہوئی قوت کو پھر واپس نہ لا سکے گا۔ باوجود اسکے کہ جنگ میں اسکے لاکھوں آدمی ضائع ہوئے، باوصف اسکے کہ مالی مشکلات نے حکومت کے سارے نظام کو

متزلزل کر دیا ہے، لیکن تعلیم کے مسئلہ میں اس کی ترقیوں کا وہی عالم ہے اور فنون کے حصول میں پہلے سے زیادہ لوگوں میں شغف محسوس کیا جاتا ہے۔ ذیل کے نقشہ سے معلوم ہوگا کہ زمانۂ قبل از جنگ میں وہاں کی تعلیمی حالت کیا تھا اور مابعد جنگ اس میں کسقدر ترقی ہوئی ہے۔

		سنہ ۱۴	سنہ ۲۱
اقتصاد سیاسی	لڑکے	۲۳۶۰	۹۹۴۵
	لڑکیاں	۱۲۸	۸۶۵
طب	لڑکے	۵۴۶۱	۱۴۷۱۲
	لڑکیاں	۹۷۹	۲۰۲۵
علم الکیا	لڑکے	۸۸۵	۲۸۵۲
	لڑکیاں	۲۹	۱۹۵
ریاضیات	لڑکے	۶۱۴۸	۶۲۰۳
	لڑکیاں	۷۳۴	۹۳۲
زراعت	لڑکے	۱۳۵۳	۳۱۱۸
	لڑکیاں	۷	۴۹
آلات سازی	لڑکے	۲۷۶۵	۳۱۴۷
	لڑکیاں	۱	۲
میکانک	لڑکے	۳۵۱۱	۸۵۵۹
	لڑکیاں	۲	۱۳
برقیات	لڑکے	۸۷۴	۲۹۷۰
	لڑکیاں	۱	۳

الغرض صرف بڑی یونیورسٹیوں اور صنعتی کالجوں کے طلبہ کی تعداد سنہ ۱۴ء میں ۳۲۰۶ تھی جو سنہ ۲۱ء میں ۱۱۰۷۵۴ تک پہونچ گئی۔ یعنی ۳۷۵۴۸ طلبہ کا اضافہ ہوا۔ اس میں مدارس، معمولی کالج اور یونیورسٹیوں کے اعداد شامل نہیں ہے جہاں کے طلبہ لاکھوں کی تعداد میں بڑھ گئے ہیں۔

یاران نجد

(الف)

روح نظیر

یعنی

میاں نظیرؒ اکبرآبادی کے منتخب کلام کا مجموعہ

جس کو

سید محمد محمود رضوی بی اے مجمور اکبرآبادی نے

مع ایک بسیط مقدمہ و تبصرہ کے نہایت کاوش و تحقیق سے مرتب کیا ہے جو بکر تیار ہو گئی ہے علاوہ ایک پرمغز دیباچہ اور ایک پرمعنی مقدمہ و تبصرہ کے جن سے نظیر کے شاعرانہ کمال پر تحقیقی روشنی پڑتی ہے کتاب کے آخر میں فرہنگ و حواشی اضافہ کر کے کلام کے معنوی مشکلات و تلمیحات کو حل کیا ہے اور اسکے ساتھ نکات و مصطلحات پر گہری نظر ڈالی ہے کلام نظیر کی صحت میں جس دقت نظر سے کام لیا گیا ہے وہ صرف مطالعہ ہی سے معلوم ہو سکتی ہے یہ کتاب معنوی لطائف کے علاوہ صوری محاسن کا ایک نظر فریب مرقع ہے۔ اس کتاب کی ترتیب جو بالکل جدید انداز و طریق ادارت پر کی گئی ہے دلدگان ادب کے لئے خاص دلچسپی رکھتی ہے تقطیع ۲۰×۳۰/۱۶ ضخامت ۴۰۰ صفحہ۔ سرورق رنگین کاغذ چکنا ولایتی ۲۸ پونڈ کتابت و طباعت دیدہ زیب قیمت علاوہ محصول ڈاک عہ۔

تصنیفات مولانا نیاز فتحپوری

گہوارۂ تمدن .. .. عہ

قربانگاہ حسن ۴ر

تلاش راز ۶ر

دارالاشاعت سیاسیات مشرقیہ کی کتابیں

خلافت عثمانیہ اور دنیائے اسلام مصنفہ مولانا محمد سلیمان ندوی عہ

سمرنا میں یونانی مظالم .. .. عہ

ٹرکی میں عیسائیوں کی حالت ۵ر

حوادث سمرنا ۲ر

ملنے کا پتہ:= **دارالاشاعت نگار** ۲ گرہ

ناظرین نگار

کو توجہ دلائی جاتی ہے کہ صیغہ نشر و انتظام نے محسوس کیا ہے کہ ایڈیٹر اور مقام اشاعت کا دو جگہ ہونا خالی از دقت نہیں ہے۔ اس وجہ سے سہولت اسمیں ہے کہ نگار کا دفتر بھوپال منتقل کر دیا جائے۔ چنانچہ فروری کا پرچہ بھوپال سے شایع ہوگا براہ عنایت خریداران نگار آیندہ سے تمام خط و کتابت منیجر نگار۔ نور محل بھوپال کے پتہ سے فرمائیں

(منیجر نگار)

"ہزار داستان" (ب) "نونہال"

تمام ہندوستان میں صرف ہزار داستان ہی ایک پندرہ روزہ باتصویر رسالہ ایسا ہے جسکو اُردو زبان کے افسانوں ڈراموں اور قدیم و جدید شاعری کا بہترین مجموعہ کہا جا سکتا ہے۔

اسی طرح بچوں کے لئے صرف نونہال ہی ایسا ہفتہ وار باتصویر رسالہ ہے جو اپنی تمام ظاہری خوبیوں اور باطنی فائدوں کے اعتبار سے سارے ہندوستان میں کوئی دوسری نظیر نہیں رکھتا۔

چندہ سالانہ "ہزار داستان" قسم اوّل آٹھ روپیہ سالانہ۔ قسم دوم چھ روپیہ سالانہ۔ قسم سوم (بلا تصویر ڈائجسٹ) چار روپیہ سالانہ۔

چندہ سالانہ "نونہال" قسم اوّل چھ روپیہ سالانہ۔ قسم دوم (بلا مائیکل) چار روپیہ سالانہ۔

دونوں رسالے دارالاشاعت ادب لطیف لاہور سے طلب فرمائیے

جرمن الگزیر

(جرمن اکسیر)

اس ترقی یافتہ زمانہ میں یہ نوایجاد روغن اپنی نوع کی تکمیل ہے۔ جملہ مخصوص مردانہ اعصابی امراض کے لئے حکیمانہ مفید ہے اور عجیب و غریب اثرات سے مملو ہے۔ امتحان فرما کر یقین کیجئے۔ چھ ماشہ علاوہ محصول ڈاک ہے۔

میگنا ٹین

(مقناطیسی)

نہ صرف ضعف درقت کا شرطیہ علاج بلکہ تندرست اصحاب کے لئے بھی ان گولیوں کا استعمال از بس فائدہ رساں ہے جرمن الگزیر کے ہمراہ اس کا استعمال فرما کر نتیجہ دیکھئے۔ ۲۱ گولیاں علاوہ محصول ڈاک ہے)، ۴۰ گولیاں صرف

(سینائی کمپنی = صدر بھٹی اگرہ)

ادبی انقلاب

رسالہ ہمایوں لاہور۔ باتصویر

آنریبل خان بہادر میاں محمد شاہدین صاحب ہمایوں مرحوم سابق جج چیفکورٹ پنجاب کی یادگار ہیں

اُن کے خلف الرشید میاں بشیر احمد صاحب بی۔ اے۔ (اکسن) بیرسٹرایٹ لا نے مستقل سرمایہ سے ایک بینظیر ماہوار ادبی رسالہ "ہمایوں" اپنی اور بلیغ الملک علامہ تاج محمد نجیب آبادی فاضل دیوبند کی اڈیٹری میں ماہ جنوری ۱۹۲۲ء سے جاری کیا ہے یہ رسالہ دلکش افسانوں دلچسپ تاریخی و علمی مضامین و نفر در مضمون کا البم بنکر شائع ہوتا ہے۔ ہمایوں کے بہت سے مشہور انشا پرداز ایسے ہیں کہ اُنکے مضامین صرف ہمایوں ہی کے صفحات میں نظر آئیں گے چونکہ اس کے اجرای تجارت مقصود نہیں یہ صرف آنریبل جسٹس مرحوم کی یادگار کے طور پر مستقل سرمایہ سے جاری کیا گیا ہے اس لئے اسکے بند ہونیکا قطعی اندیشہ نہیں اسکی ظاہری و باطنی خوبیوں پر دل کھولکر روپیہ صرف کیا جاتا ہے سب سے بڑے سائز کے کم سے کم (۷۲) بہتر صفحات کا حجم لکھائی چھپائی اور کاغذ بہتر سے بہتر ہر ماہ تاریخی یا کسی مشہور اہل قلم یا آرٹ کے متعلق کوئی تصویر شائع کیجاتی ہے مشرقی و مغربی معلومات اور علمی ادبی دلچسپیوں کے دو دریا ہمایوں کے کوزے میں بند ہوتے ہیں صحت زبان و محاورات کے اعتبار سے اسکا پایہ بہت بلند ہے محفل ادب کے عنوان کے تحت ہندوستان و بیرونی ممالک کے اردو۔ ہندی۔ بنگالی۔ مرہٹی۔ گجراتی۔ عربی۔ فارسی۔ انگریزی زبان کے مشہور رسالوں سے دلچسپ مضامین کا اقتباس شائع کیا جاتا ہے اسکے مخصوص قلمی معاونین میں سے چند کے اسماء گرامی درج کئے جاتے ہیں۔ آنریبل شیخ عبدالقادر جج ہائیکورٹ لاہور۔ آنریبل سر محمد شفیع کے۔ سی۔ ایس۔ آئی۔ وزیر تعلیم گورنمنٹ ہند۔ نواب حیدر یار جنگ بہادر۔ نواب سر ذوالفقار علی خاں سی۔ آئی۔ ای۔ ڈاکٹر شیخ محمد اقبال۔ خواجہ حسن نظامی۔ وغیرہ ہمایوں کے متعلق مشاہیر اہل قلم گورنمنٹ کے منتخب اخبارات و رسائل نے بہت اعلیٰ رائے قائم کی ہیں قیمت سالانہ پانچ روپیہ بشمول بیشی تین روپے۔ نمونہ کا پرچہ ۸ر (علاوہ محصولڈاک)

منشی محمد صادق منیجر رسالہ ہمایوں (برکوٹھی میاں بشیر احمد صاحب بیرسٹرایٹ لا مزنگ روڈ لاہور)

پانچ شہرہ آفاق کتابیں

جن کی شہرت کا سلسلہ چار دانگ عالم میں بج چکا ہے اور ہندوستان کی سات بکسٹ بک کمیٹیوں نے انعامی کتب منظور کیگئی

سیرت حضرت عائشہ صدیقہؓ

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ کے حالات زندگی میں ملک کی مہذب مستورات اور جوان لڑکیوں کے لئے بہترین کتاب۔ کتاب کی عبارت اردو لٹریچر کا انتہائی لطف دکھاتی ہے۔ مزار مبارک کا نقشہ اور فوٹو ساتھ ہیں قیمت مجلد ۳ے، بلا جلد ۱۰ عا

سیرت حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ

رسول اکرم صلعم کی پہلی اور محبوب ترین بیوی حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے حالات۔ یہی ایک بیوی تھیں جن سے آپ کا سلسلہ اولاد چلا آپ کے مزار کا فوٹو کتاب کے ساتھ لگا ہوا ہے۔ قیمت مجلد ۲ے بلا جلد ۱۲ عا

سیرۃ حضرت فاطمۃ الزہراؓ

یہ کتاب پانچویں دفعہ طبع ہوئی ہے ملک میں از حد مقبول ہوئی ہے درد انگیز واقعات سے پُر ہے ہر ایک شریف عورت کے پڑھنے کے قابل ہے اپنی اخلاق حسنہ عبادت خدا اطاعت شوہر محبت خلق ایثار کفایت شعاری وغیرہ کے ہزاروں مفید سبق مشہورات بیگم مسکتی ہیں کتاب میں کئی فوٹو ہیں مجلد ۳ے بلا جلد ۲ے

سیرت حضرت بلالؓ

یہ اُس حبشی غلام کے حالات ہیں جو رسول اکرم صلعم کے اثر صحبت سے اس درجہ تک پہونچ گیا تھا جسکے حصول میں لاکھوں بندگان خدا اب تک ناکام ہیں مصنف نے بدون وضو کتاب کا ایک حرف بھی نہیں لکھا آپ کے مزار کا فوٹو کتاب میں ہے۔ مجلد ۱ے بلا جلد ۱۰ عا

سیرۃ حضرت امام حسینؓ

حضرت شہید کربلا امام حسین علیہ السلام کے حالات زندگی جس میں آپ کے مزار اور شہیدان کربلا کے مزاروں کے فوٹو بھی دیے گئے ہیں ولایتی کاغذ اعلیٰ درجہ کی لکھائی اور خوبصورت ولایتی جلد ہے قیمت مجلد ۱ے بلا جلد ۱۲ عا

صلنے کا پتہ۔ منیجر رسالہ صوفی پنڈی بہاؤالدین ضلع گجرات (پنجاب)

شفاخانہ زاہدی یونانی وامرت فارمیسی یاسوڈہ

جی - آئی - پی - ریلوے قائم شدہ ۱۸۸۵ء کی امرت پلز پر بہدف مشہور ادویہ کا ایک مرتبہ ضرور تجربہ فرمائیے۔

بیکار ہیں جو جوانان نونہال ✤ ہاں اُنکے واسطے ہیں یہ امرت کی گولیاں

مردانہ قوتوں کی حفاظت اور امراض کا قلع قمع کرنیوالی بے نظیر دوا ہے جسمیں کشتہ جات طلا و نقرہ ڈمیانہ فاسفورس جیسے بیش بہا مرکب شامل ہیں آپ اپنے امراض سے پریشان اور مایوس نہوں سچے طور سے تجربہ کا مشورہ دیا جاتا ہے۔ پرہیز ندارد ہر عمر و موسم کے لائق قیمت فی شیشی ۱۲ گولیاں تین روپیہ (۳/)

ٹانک پلز جو احباب امرت پلز استعمال نکر سکیں وہ ٹانک پلز استعمال کریں انکے فوائد امرت پلز سے کسیطرح کم نہیں۔ ایک مرتبہ ضرور تجربہ فرمائیے

زاہدی زچگی کے زمانہ میں بچہ و زچہ کو استعمال کرانیسے کافی حفاظت ہوتی ہے

(نوٹ) خریداران نگار ہذا نصف قیمت پر خرید سکتے ہیں زاہدی دو شیشی سے کم روانہ ہوگی

نجات المومنین (قیمت ۱۲/ مسئلہ روزہ نماز بچوں بچیوں کے یاد کرنے کے لئے بہت سادگی سے نظم کئے گئے ہیں جو معمولی سمجھ کا آدمی سمجھ سکتا ہے ہر مسلمان کے گھر میں رہنے کے لائق ہے مستورات بچوں کو یاد کرا سکتی ہیں۔

المشتہر پروپرائٹر حکیم سید ظہور الحسن الیف - ٹی - ایس -

بچیوں پر رحم کیجئے

اور ضرور ضرور انہیں صبح زندگی۔ شام زندگی۔ شب زندگی منگا کر پڑھوائیے یہ تینوں کتابیں عورت کی دین دنیا سنوار دیتی ہیں ہم نے اپنا وقت تو جیسا گذرنا تھا گذار ہی لیا لیکن آئندہ نسلوں کے لئے تو یہاں دوزخ بنائے اور نہ وہاں ہندوستان کی تمام مشہور لوگوں اور کل ممتاز اخباروں کو اتفاق ہے کہ اس بارہ میں صبح زندگی۔ شام زندگی شب زندگی سے بہتر مددگار نہیں مل سکتا۔ صبح زندگی کی قیمت عہ سے شام زندگی کی قیمت عہ/ شب زندگی کی قیمت عہ فی الحال کوئی ایک حصہ منگا کر ہمارے وعدہ کی سچائی دیکھئے۔

المشتہر۔ منیجر درویش پریس دہلی

سُدھا سندھو

بلا انوپان کی دوا

کف - کھانسی - ہیضہ - دمہ - اسہال - سنگرہنی - پیٹ درد جی متلانا - بالکوں کے ہرے پیلے دست اور درد معدہ کی ایک خوش ذائقہ اور خوشبو دار دوا صرف پانی میں ملا کر دینے سے ایک خوراک اپنا اثر دکھاتی ہے قیمت فی شیشی ۸/ محصول ڈاک ۷/

دورو گج گیسری یعنے دادکی دوا

بلا کسی جلن اور تکلیف کے دو تین مرتبہ لگانے سے ہی درد کو آرام کرنے کی سب سے اچھی دوا ہے قیمت فی شیشی ۱۲/ آنہ ایک سے ۱۲ شیشی تک محصول ڈاک ۸/

بال سُدھا

کمزور اور دُبلے پتلے اور اکثر بیمار رہنے والے بچوں کو طاقتور اور موٹا تازہ بنانے والی حکمی دوا ہے۔ قیمت فی شیشی (۱۲/) پورا حال جاننے کے لئے بڑی جنتری مفت منگا لو۔

(سب جگہ ایجنٹوں کی ضرورت ہے۔)

ملنے کا پتہ

سکھ سنچارک کمپنی متھرا

شیر مادر

سچ ہے ہندوستانیوں کے بچے "بے پروائی ہی کے سائے میں پلتے ہیں"! قدرت کی شان ہے کہ وہ مشرق میں نسل انسانی کو قایم رکھنا لازمی سمجھتی ہے - ورنہ ماں باپ حمل قرار پانے کے وقت سے لیکر دودھ چھڑانے تک بلکہ اوسکے بعد تک بچے کی ایذا رسانی میں کوئی کسر نہیں رکھتے - اہل مغرب کا اسکے بالکل برعکس عمل ہے مغرب کے شعرا تک بچے کو باپ سمجھتے ہیں چنانچہ ورڈسورتھ ملٹن کا قول ہے کہ بچہ آدمی کا باپ ہے! یعنے جسطرح ماں کے پیٹ سے بچہ پیدا ہوتا ہے اسی طرح بچپن سے آدمی بنتا ہے - ماں باپ کی بے احتیاطیوں کا بچے پر کیا اثر ہوتا ہے کچھ نہ پوچھیے - تفصیل سے دل دکھتا ہے حمل اور دودھ پلانے کے زمانہ میں عورت کو آزادانہ چھوڑنے سے رحم میں فتور اور دودھ میں فساد پیدا ہوتا ہے - ہاضمہ کمزور اور اُس کیساتھ بچہ ناتواں ہوجاتا ہے - کھانسی - نجار - دست وقے شروع ہوجاتے ہیں آنکھوں سے چیپ منھ سے رال جاری ہے - ماں سمجھتی ہے کہ بچے ایسے ہی ہوتے ہیں - اسی طرح رفتہ رفتہ سوکھا لگجاتا ہے - ایک ذرا ہوا زدگی ہوئی اور پسلی کے مرض ابل آئے - سینہ اور پیٹ دکھنے لگا - والدین کی بڑی دوڑ یہ کہ سہاگا کچایا پکا دیدیا اور بس یہ خیال باندھ لیا کہ بچے یوں ہی پلا کرتے ہیں - نہیں بچوں کو بڑوں سے بہت زیادہ احتیاط اور خدمت کی ضرورت ہے - یہ بارہ برس ناک چنے چبوا کر پلتے ہیں یا ایک نہایت آسان طریقہ پرورش ہم بتا دیتے ہیں **احسان کمپنی** کا شیر مادر استعمال کیجیے پھر جو چاہے کیجیے قدرت اور یہ شربت دونوں ملکر بچے کی پرورش آپ کرلیں گے - اثر میں آبحیات ثابت ہوا ہے - پسلی کا چلنا - سانس کی بیماری - سوکھا لگجانا - مسان - معمولی کھانسی - قبض بدہضمی - اپھارا - پیٹ کا درد - قسم قسم کے دستوں کا آنا - مڑوڑ - کلیخ کا نکلنا - قے دودھ ڈالنا - ہر وقت روتے رہنا - آنکھیں دکھنا - کان کا درد - ہر قسم کا نجار اور بیماری میں ملا خوف بچوں کو استعمال کرا سکتے ہیں قیمت فی شیشی ۱۲/ ۳ شیشی عہ ۱۴/

قوبا

ستایا داد نے ہے شکوہ بیداد کیا کیجے ✤ کہیں قوبا نہیں ملتا ہمیں اُستاد کیا کیجے

داد بھی چیپ کیطرح جلدی بیماری ہے اور دیمک کی طرح اندر ہی اندر پھیلتا جاتا ہے اگرچہ یہ کئی قسم کا اور مختلف اسباب سے ہوتا ہے کبھی پھیپ نکلکر پھنسیاں ہوجاتی ہیں (قوبا) اس کے کپڑے اور مواد کو چند بار لگانے سے بھوسی کی طرح اُڑا کر جلد کو صاف کرتا اور روح کو آرام دیتا ہے شاید قوبا سے زیادہ اس مرض کی کوئی اور دوا بیجگن نہ ہوگی ترکیب استعمال ہر شیشی کے ہمراہ ہوگی خوبی یہ ہے کہ اسمیں کوئی ایسی تیز دوا شامل نہیں ہے جو لگاتے ہی سوزش پیدا کرکے نئی تکلیف کا سبب ہو آزمایش شرط ہے قیمت فی شیشی آٹھ آنہ ۹/ ۳ شیشی عہ ایکدرجن للحہ محصول ڈاک علاوہ -

بیسویں صدی کی ضم ایک نئی ایجاد

مریضوں پر تجربہ کرنے اور اُس میں کامیاب ہونے کے بعد آج ہم نہایت خوشی اور دلیری سے عامہ خلایق کے سامنے ضم کی ایک شیشی پیش کرتے ہیں بلا شبہہ اسکا اثر جادو کا حکم رکھتا ہے ہمارا کارخانہ ۱۸۷۸ء سے قایم ہے اپنی ادویات کے معتمد ہونیکے لحاظ سے مشہور زمانہ ہے کارکنان کارخانہ کی سالہا سال کی محنت کا نتیجہ یہ ضم ہے جو آج پیش کیا جاتا ہے - گر قبول افتد زہے عز و شرف -

انسان کے کسی عضو مثلاً سر پیشانی - ناک - دانت - کان - گردن - سینہ - پسلیاں - پشت - بازو - کلائی - انگلی - ران - پنڈلی - ٹخنہ ایڑی - تلوا - اور پٹھے میں خواہ کسی قسم کا درد ہو کیوں نہو - گٹھیا کا درد ہو یا سوجن ہو یا کسی زہریلے جانور نے کاٹا ہو غرض ہر قسم کے درد کو یقیناً اور بلا شبہہ ضم اکسیر کا حکم رکھتا ہے اور یہی ہمارا دعویٰ ہے کہ ایک مرتبہ کے امتحان کے بعد آپ بھی ہمارے دعوی کی تائید کرینگے قیمت شیشی کلاں عہ شیشی خورد ۱۲/ علاوہ محصول ڈاک -

---

احسان اینڈ کمپنی دوافروشان فتحپوری - دہلی

کلکتہ کے مشہور ڈاکٹر ایس۔ کے برمن کی مجرب و آزمودہ دوائین

چالیس سال سے تمام ہندوستان میں مشہور ہو رہی ہیں

ہماری دوائیں ہر جگہ بھاری بھرکم بوتلوں اور ڈبوں میں بکتی ہیں۔ کیس نہیں بنتے۔ محصول ڈاک علاوہ

نسخہ حالات کی فہرست وکیفیت مفت طلب فرمائیے

وہ زندگی ہی کیا

جس سے ایک دوسرے کو فائدہ نہ پہونچ سکے اسی خیال کو مدنظر رکھکر دوائیں بنی ہیں اور باوجود انمول فائدہ کے سستی بکتی ہیں

نام دوا	مقدار	قیمت
اصلی عرق کافور۔ ہیضہ کے لئے ایک ہی دوا ہے		قیمت ۶/
دمہ کی دوا۔ ایک ہی خوراک میں دمہ کو دبا دیتی ہے۔		قیمت ۸/
کونین کی گولیاں۔ چار گرین کی ۲۵ گولیاں		قیمت ۸/
کولا ٹانک کمزوری کا دشمن		قیمت ۸/
فصلی بخار وملال کی دوا۔ چار پانچ ہی خوراک میں بخار کا آنا بند ہو جاتا ہے		قیمت فی شیشی کلاں ۱؍ خرد ۱۰/
منقوی باہ کی گولیاں۔ جیسا نام ویسا فائدہ		قیمت ۸/
پین ہیلر۔ اندرونی وبیرونی درد کی دوا		قیمت ۸/
سالسہ۔ خون صاف کرنے کی دوا		قیمت ۱؍
سنی لائن۔ خونی بواسیر وخون بند کرنے کی دوا		قیمت ۸/
پرانے سوزاک کی دوا۔ پرانے سے پرانا سوزاک ایک شیشی میں آرام ہوتا ہے۔		قیمت ۱؍
گری الشاک کی دوا۔ یہ گرمی کے زہر کو نکالدیتی ہے		قیمت ۱؍
دانت کے درد کی دوا۔ لگاتے ہی درد مٹتی ہے		قیمت ۶/
سر درد کی دوا۔ سر کے درد کے لئے نہایت اکسیر ہے		قیمت ۱۲/
جلاب کی گولیاں۔ آسانی سے پیٹ صاف کرتی ہے۔		قیمت ۹/
داد کا مرہم۔ ایک ڈبیہ میں کیسا ہی داد ہو آرام ہو جائیگا		قیمت ۶/
کلورڈائن ہیضہ کی عمدہ دوا		قیمت ۸/
کھانسی کی دوا۔ کف اور کھانسی کے لئے مفید ہے		قیمت کلاں ۱؍ خرد ۱۰/
پرانے ملیریا بخار کی گولیاں۔ ان گولیوں میں کونین نہیں ہے		قیمت ۸/
روغن پیرمنٹ۔ بدہضمی اور ریاحی درد کے لئے مفید ہے		قیمت ۸/
کان بہنے کی دوا۔ کان کا بہنا اس سے بند ہو جاتا ہے		قیمت ۶/

نام دوا	مقدار	قیمت
زخم کا مرہم۔ یہ ہر قسم کے زخم کے لئے مفید ہے		قیمت ۱۰/
لال شربت۔ ایک شیشی میں بچے لالو لال ہو جاتے ہیں		قیمت ۸/
خارش کھجلی کی دوا۔ یہ ہر قسم کے جلدی امراض کے لئے مفید ہے		قیمت ۱۲/
امراض مشورات کی دوا۔ یہ خون کی خرابی کیلئے مفید ہے		قیمت ۸/
عرق پودینہ۔ یہ پودینہ کی ہری پتیوں سے بنا ہے ہاضمی کے لئے مفید ہے		قیمت ۱۴/
نمونہ ۵ بکس۔ اس میں ڈاکٹر ایس۔ کے۔ برمن کی چھ مشہور دوائیں ہوتی ہیں		قیمت ۱؍
مہر و نیفیٹا۔ یہ خوشبوؤں کا بادشاہ ہے		قیمت ۸/
کسراج تیل۔ یہ تیلوں کا سرتاج ہے دیسی اور ولایتی خوشبوؤں کی آمیزش سے بنایا گیا ہے اور خوشبو کے علاوہ دماغ کے لئے نہایت درجہ مفید ہے۔		قیمت ۱؍
ایل یک۔ تجھ پر مہی۔ زخم جوٹ ہر ایک کیلئے عمدہ دوا ہے		قیمت ۱۰/
مکرو ہیج۔ یہ سونے کا گشتہ سات ہی خوراک میں آدمی کو اپنے رنگ پر لے آتا ہے		قیمت ۷ خوراک ۱؍
آلوکا۔ یہ نئے رقیق الثنا یہ بنگالے کا خاص تحفہ ہے کسی حسین معشوق کے گورے گورے پیروں پر لگائیے اگر جی لوٹ پوٹ نہ ہو جائے تو ہمارا ذمہ		قیمت ۸/

انگریزی۔ ہندی۔ اور اردو تھرمامیٹر ڈاکٹر ایس۔ کے۔ برمن کی خاص فرمائش سے ولایت کے ایک نامی کارخانہ سے بنکر آیا ہے اور بخار پہچاننے کی لکیر بہت صاف ہے قیمت فی تھرمامیٹر ۱؍

ڈاکٹر ایس۔ کے برمن نمبر ۵ تاراچند اسٹریٹ کلکتہ

تار کا پتہ کمفر — یہ کارخانہ ۱۸۸۴ سے جاری ہے۔ — پوسٹ بکس نمبر ۵۵۴

ایجنٹ۔ درگا پرشاد داؤدیال، راوت پاڑہ آگرہ۔